سلسلہ اشاعت کے باون سال

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

ماہنامہ الحق

622-623/ رمضان ، شوال ۱۴۳۸ھ جون، جولائی ۲۰۱۷ء

بیاد
شیخ الحدیث
مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست اعلیٰ
مولانا سمیع الحق

مدیر اعلیٰ
مولانا راشد الحق سمیع

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ ؐ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ عَلیٰ اٰلِہٖ وَسَلِّمْ تَسلِیمًا

اے بی سی آڈٹ بیوروسرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد نمبر 52
شمارہ نمبر 10- 9
رمضان، شوال ۱۴۳۸ھ
جون، جولائی 2017

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر اعلیٰ: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ
نگران: حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ
مدیر: حافظ راشد الحق سمیع حقانی

اس شمارے کے مضامین

- نقش آغاز: حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ کا سانحہ ارتحال .... مولانا راشد الحق سمیع ۲
- عہد طالبعلمی میں مولانا سمیع الحق مدظلہ کے علمی منتخبات
  - ☆ چینی مسلمانوں اور علماء سے شیخ الحدیث کا خطاب
  - ☆ سفر حج سے واپسی پر مولانا ابراہیم فانی کا منظوم استقبالیہ ...... مولانا حافظ عرفان الحق حقانی ۳
- صبر کی اہمیت .... حضرت مولانا حافظ انوار الحق ۲۱
- اسلام کا نظام عدل .... مفتی محمد عمیر ۲۶
- کیا خلافت دینی اصطلاح ہے؟ .... مولانا سید متین احمد ۳۳
- عیدین کا چاند دیکھنے کا آسان متفقہ طریقہ کار .... جناب محمد سمیع اللہ ۴۱
- امام طحاویؒ کی شرح مشکل الاثار .... جواد علی شاہ حقانی ۴۷
- مفتی اعظم کا فتویٰ اور اُمرائے سلطنت کی نیلامی .... ابوالعباس خان ۵۰
- افغان طالبان اور روس کا ممکنہ معاہدہ؟ .... جنرل مرزا اسلم بیگ ۵۲
- اردو زبان کا مقام و مرتبہ اور علماء ہند کا ذوق .... جناب شفیق الدین الصلاح ۵۳
- دارالعلوم حقانیہ اور رد قادیانیت .... احسان الرحمٰن عثمانی ۶۵
- مولانا سمیع الحق کی ڈائری اور علمی منتخبات .... مولانا محمد اسحاق حقانی ۷۰
- افکار و تاثرات .... (قاری عبدالرؤف قریشی) .... ادارہ ۷۳
- دارالعلوم کے شب و روز .... مولانا حامد الحق حقانی ۷۶
- تعارف و تبصرہ کتب .... ادارہ ۷۸

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار حضرات کے خیالات و آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (خیبر پختونخوا) پاکستان۔
فون نمبر: +92 923 -630435
فیکس نمبر: +92 923 -630922
ای میل: Email: editor_alhaq@yahoo.com
فیس بک ایڈریس: facebook\Alhaq Akora Khattak
ویب سائٹ: www.jamiahaqqania.edu.pk

سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ -/30 روپے۔ سالانہ -/350 روپے۔ بیرون ملک $35 امریکی ڈالر
پبلشر: مولانا سمیع الحق ' مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ منظور عام پریس پشاور
کمپوزنگ: بابر حنیف

622-623/ رمضان ، شوال ۱۴۳۸ھ جون، جولائی ۲۰۱۷ء

نقش آغاز

مولانا راشد الحق سمیع

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ کا سانحہ ارتحال

۲۰ مئی ۲۰۱۷ء کو دارالعلوم دیوبند کے سابق ناظم تعلیمات اور استاد الحدیث حضرت مولانا ریاست علی بجنوری مختصر علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا بجنوریؒ ایک جید عالم دین، نقطہ رس مدرس، باصلاحیت منتظم، بے مثال ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ محقق اور مصنف بھی تھے، تقویٰ و دیانتداری، ذکاوت و ذہانت، اور حسن اخلاق جیسے گونا گوں خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ راقم نے سب سے پہلے ان کا نام دارالعلوم دیوبند کے شہرہ آفاق ترانے کے ذیل میں سنا تھا......

یہ علم و ہنر کا گہوارہ تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں ایک شعلہ ہے ہر سر یہاں مینارہ ہے

مرحوم ۹ مارچ ۱۹۴۰ء کو علی گڑھ میں پیدا ہوئے، ۱۹۵۱ء میں دارالعلوم دیوبند آئے، ۱۹۵۸ء میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد بھی اپنے شیخ حضرت مولانا فخر الدین مرادآبادیؒ ، صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کی صحبت میں استفادہ کرتے رہے۔ ۱۹۷۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے، ماہنامہ دارالعلوم کے مدیر، ۱۹۸۵ء میں مجلس شوریٰ نے آپ کو مجلس تعلیمی کا ناظم مقرر کیا، ۱۹۸۸ء میں آپ کو شیخ الہند اکیڈمی کا نگران مقرر کیا گیا۔ مرحوم ۱۰ سال تک جمعیۃ علماء ہند کے نائب امیر بھی رہے۔ انہوں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کی بدولت دارالعلوم دیوبند کو بام عروج تک پہنچانے میں موثر کردار ادا کیا، یہاں تک کہ تقریباً ہزاروں صفحات پر مشتمل نو جلدوں میں ان کی شرح بخاری ''ایضاح البخاری'' کو شائع کیا جو اردو کی شروح بخاری میں منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ وفات سے دو ایک دن قبل استاد محترم قاری محمد عبداللہ صاحب بنوں کی ان سے فون پر تفصیلی بات چیت ہوئی، مولانا بجنوریؒ نے ایضاح البخاری کے حوالے سے ان کو آگاہ کیا۔ انہوں نے حضرت والد ماجد مولانا سمیع الحق صاحب کی زیر طبع تفاسیر امام لاہوریؒ کے حوالے سے بھی نیک خواہشات کا اظہار فرمایا اور کبھی پاکستان آنے کا موقع ملنے پر دارالعلوم حقانیہ آکر مولانا مدظلہ سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ ۲۰ مئی کو بعد از ظہر احاطہ مولسری میں قاری محمد عثمان منصوری کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور مزار قاسمی میں سپرد خاک کیا گیا۔ دارالعلوم حقانیہ میں مرحوم کے ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا۔

مرتب: مولانا حافظ عرفان الحق اظہار حقانی۔ (قسط ۵۷)

عہد طالبعلمی میں مولانا سمیع الحق مدظلہ کی ذاتی ڈائری

۸۳_۱۹۸۲ء کی ڈائری

عم محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم آٹھ نو سال کی نوعمری سے معمولات کی ڈائری لکھنے کے عادی تھے۔ان ڈائریوں میں آپ اپنے ذاتی اور عظیم والد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے معمولات شب وروز اور اسفار کے علاوہ اعزہ واقارب، اہل محلہ وگرد وپیش اور ملکی وبین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والے احوال وواقعات درج فرماتے۔ آپکی اولین ڈائری ۱۹۴۹ء کی لکھی ہوئی ہے۔جس سے آپ کا ذوق اور علمی شغف بچپن سے عیاں ہوتا ہے۔احقر نے جب ان ڈائریوں پر سرسری نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ جابجا دوران مطالعہ کوئی عجیب واقعہ، تحقیقی عبارت، علمی لطیفہ، مطلب خیز شعر، ادبی نکتہ، اور تاریخی عجوبہ آپ نے دیکھا تو اسے ڈائری میں محفوظ کرلیا۔ اس پر دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ مطالعہ کے اس نچوڑ اور سینکڑوں رسائل اور ہزار ہا صفحات کے عطر کشید کو قارئین کے سامنے پیش کیا جائے جس سے آئندہ آنے والی نسلیں اوراسیرانِ ذوق مطالعہ استفادہ کرسکیں۔تاہم یہ واضح رہے کہ نہ تو یہ مستقل کوئی تالیف ہے اور نہ ہی شائع کرنے کے خیال سے اسے مرتب کیا گیا ہے۔اسلئے ان میں اسلوب کی یکسانیت اور موضوعاتی ربط پایا جانا ضروری نہیں...... (مرتب)

نفاذ اسلام کا مختصر راستہ اسلامی شورائی نظام نہ کہ لادینی مغربی جمہوریت، وفاقی کونسل میں شرکت پر وضاحت:

یکم ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ بمطابق فروری ۱۹۸۲ء: صدر پاکستان کی نامزد کردہ وفاقی کونسل یا مجلس شوریٰ تشکیل پاچکی ہے اور اس کے حسن وقبح دونوں پہلوؤں پر ملک بھر میں سیر حاصل گفتگو ہوچکی ہے۔اس کونسل میں بلا کسی ادنیٰ طلب یا پیشگی مشورہ کے ناچیز کا نام بھی شامل کردیا گیا ہے، جس پر بہت سے احباب کو شکوہ آمیز حیرت اور اہل علم اور ارباب دین کی بہت بڑی اکثریت نے خوشی اور مسرت کا اظہار کیا ہے۔ اور ہر لحاظ سے بے مایہ اور کم سواد ہونے کے باوجود بزرگوں کی نسبت اور ایک دینی وعلمی ادارہ کے ادنیٰ خادم ہونے کے حوالہ سے بے پناہ توقعات اور امیدوں کا بھی اظہار کردیا ہے۔ایسے پیغامات، خطوط اور مراسلات جن کا لامحدود سلسلہ تاحال جاری ہے کو دیکھ کر ناچیز اپنے اس احساس مسئولیت میں دب کر رہ جاتا ہے، جسے میں کونسل کی تشکیل کے اعلان کے پہلے ہی دن سے شدت سے محسوس کرتا رہا ہوں۔میرے نزدیک ایسے حالات میں یہ ذمہ داری مبارک باد اور خوشی سے بڑھ کر آزمائش اور ابتلاء کا مقام ہے، جس سے سرخرو ہونے کے لیے ہردم

اور ہر لحظہ مجھے مخلص احباب اور دینی درد سے سرشار مسلمانوں کی دلی دعاؤں، مخلصانہ مشوروں اور بے لاگ تنقید سے رہ نمائی کی ضرورت ہے، جو میرے لیے اس نازک صورت حال میں بہت بڑا سہارا ہیں۔

جہاں تک مجلس شوریٰ کی عدم افادیت یا غیر جمہوری حیثیت کا مسئلہ ہے۔ اور مغربی سیاست و جمہوریت کا جو تصور ہمارے ہاں ایک طاعون کی طرح پورے ماحول پر چھا چکا ہے۔ اس کے جواب میں بہت کچھ کہا جاسکتا ہے، مگر یہاں صرف اہل علم اور علماء کے نکتۂ نظر سے (کہ ناچیز کو بھی اہلیت نہ ہونے کے باوجود اسی زمرے میں گنا جاتا ہے) چند اشارات پر اکتفاء کرتے ہوئے اتنی گذارش ہے کہ علماء حق اور دین اسلام کے غلبہ و نفاذ کے درد سے سرشار افراد کی سیاست برائے سیاست نہیں ہوتی، نہ ان کا مطمح نظر یورپ کی مروجہ لادینی جمہوریت ہے، بلکہ سارے مساعی اور کوششوں کا محور و مقصد کلمۃ اللہ کی سربلندی اور کتاب و سنت کی ہر شعبۂ زندگی میں بالادستی ہے۔ اسی کے لیے مرنا اور اسی کے لیے جینا مقصود حیات اور فریضۂ منصبی ہوتا ہے ؎

مقصود ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست
ہر جا کہ کلیم سجدہ بران آستاں رسد

اس مقصد تک پہنچنے کے لیے حالات، ماحول، وسائل، منصوبوں، تدابیر کا ہر لحظہ جائزہ اور ہر لمحہ مستقبل کی منصوبہ بندی کے ساتھ طرزِ عمل اختیار کرنا ایمان و یقین اور عقل و دانش کا تقاضا ہے۔ کون سا راستہ طویل ترین ہے اور کون سا مختصر؟ کس طریق کار میں رکاوٹیں زیادہ اور کس لائحۂ عمل میں کم ہوسکتی ہیں؟ کون سا طریق اقرب الی الحق ہے اور کون سا محض سیاسی گروہ بندی، تعصبات یا مخالفت برائے مخالفت کی وجہ سے منزل سے دور کرتا ہے؟

O

اس وقت لادینی عناصر اور جماعتوں کی طرح بعض دین دار جماعتوں اور غلبۂ اسلام کے لیے سرگرم عمل افراد کا بھی ایک ہی نعرہ ہے کہ مروجہ مغربی جمہوریت کے ذریعہ انتخابات اور اسمبلی میں پہنچ کر اسلام کے نفاذ کے لیے جدوجہد۔ مگر کیا واقعاتی دنیا میں یہ راستہ ہمیں لیلائے مقصود اسلامی نظام سے ہم کنار کرسکتا ہے؟ وہ جمہوریت جو محض اکثریت کو قانون سازی اور حاکمیت کا واحد حق دار سمجھتی ہے، اہل علم اور دین دار کبھی انتخابات کے ذریعہ وہ واضح اکثریت حاصل کرسکتے ہیں؟ اس کے لیے معاشرہ کا عمومی جائزہ، عامۃ الناس کے کردار اور اپنی وابستگیوں سے صرف نظر کردینا انتہائی بے بصیرتی ہے۔

سوسال میں بھی اسلامی جماعتوں کی واضح اکثریت محال

میری نہایت محتاط رائے ہے کہ اگلے سوسال میں بھی ہم لوگ مروجہ انتخابات کے ذریعہ اسمبلی میں واضح اکثریت حاصل نہیں کر سکتے۔ ہم لادینی جماعتوں سے لاکھ اتحاد کریں۔ انتخاب ہوتے ہی یہ اتحاد دین اور لادینیت بالفاظ دیگر کفر والحاد اور اسلام وشریعت کے دو متحارب کیمپوں میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ دو چار علماء منتخب ہوبھی جائیں تو اسمبلی میں ان کا مصرف صرف وعظ وتبلیغ ہوکر رہ جاتا ہے۔ بہت سے احباب نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ موجودہ مجلس شوریٰ تو قانون سازی کے سلسلہ میں بے بس ہے۔ پھر اس کی افادیت کیا؟ مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ مروجہ جمہوری طریقوں سے جو قانون ساز اسمبلی تشکیل پاجائے گی، اس میں چند گنے چنے علماء ارکان کے ہاتھ میں کون سی قانون سازی آجائے گی، وہ تو پھر بھی لادینی اکثریت کے ہاتھ ہی میں ہوگی۔ وہ تو آیندہ بھی سود، زنا اور فحاشی جیسے صریح منکرات کے بارہ میں آپ کی قراردادوں کو ایک خندۂ استہزا کے ساتھ مسترد کرتی رہے گی۔ دینی اقدار کا مذاق اڑائے گی اور آپ کو کوٹھے پر جاکر رقص وسرود کے ذریعہ روحانی جلاء حاصل کرنے کی تلقین کرے گی۔

———— o ————

اس مادر پدر آزاد جمہوریت میں قانون سازی کا حق ہوگا بھی تو اوروں کو، علماء حق کو نہیں۔ پھر ہمیں دشمن کے ہاتھ قانون سازی کی تلوار تھما دینے کی اتنی بے چینی کیوں ہے، جب کہ موجودہ مجلس شوریٰ میں ایسا کوئی لادینی اختیار اس کی اکثریت دین کے خلاف استعمال نہیں کرسکتی۔ پھر جس اسمبلی کو ہم جمہوری کہیں گے، کیا اس کے جماعتی ارکان اپنی جماعتی وابستگیوں، منشور، ایڈوائس اور پارٹی کی ہدایات سے آزاد ہوں گے؟ ہرگز نہیں، جب کہ وہاں ہر رکن کے ایمان وضمیر پر جماعتی فسطائیت کے تالے لگے ہوتے ہیں۔ کوئی کتنا ہی مؤمن ہو، اسے سوشلزم یا مغربی اباحیت کے شرم ناک اقدامات کے حق میں ووٹ دینا پڑتا ہے (جس کی مثال پچھلے عوامی اسمبلی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے)

———— o ————

سوال یہ ہے کہ عام سیاست دانوں کو ایسے اسمبلی سے فائدہ ہو یا نہ ہو، ہم لوگ جن کا اوڑھنا بچھونا اسلام ہے اور جن کا مقصود ومطلوب اس سارے جہد وجہاد کا غلبۂ اسلام ہے، ہمارے لیے وہ راستہ اختیار کرنا طویل ترین ہے یا موجودہ شورائی نظام جس کے ارکان جماعتی بندھنوں سے آزاد ہیں، جنہیں اقتدار کی طرف سے لادینیت کی نہیں، دینی حالات اور فضا پیدا کرنے اور اسلامی نظام کی طرف پیش رفت پر مبنی مشوروں کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے اور جن کو اہل علم ارکان کی دلائل پر مبنی مخلصانہ رہ نمائی دینی امور پر متفق بھی کرسکتی ہے، جس کا مظاہرہ اسلامی نظام کے بارہ میں (میرے پیش کردہ) منظور شدہ متفقہ حالیہ قرارداد کی صورت میں ہوا

اور جس کے دینی معیار پر پورے نہ اترنے والے ارکان بھی الناس علی دین ملوکھم کے تحت اوروں سے بڑھ چڑھ کر اسلامی نظام سے اپنی وابستگی اور وفاداری کا اظہار کر رہے ہیں۔

O

چلیے فرض کر لیجیے موجودہ مجلس شوریٰ بالکل نا قابل برداشت اور غیر اسلامی ادارہ ہے تو طبقۂ علماء اور دینی جماعتیں جو داخلی اور بیرونی حالات کے اس پر خطر گرداب میں پھنس کر رہ گئی ہیں۔ آخر ان کی ڈیوٹی کیا رہ جاتی ہے کیا یہی کہ وہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائیں یا بدقسمتی سے جماعتی جوڑ توڑ، خلفشار اور روز افزوں بعد و افتراق کا تماشہ دیکھتے رہیں۔ اور اسلام کے لیے جو رہا سہا میدان میسر آتا ہے، جہاں آپ حق کی صدا بلند کر سکتے ہیں اور اگر جماعت کی آستینیں بتوں سے لبریز ہیں تو اس وجہ سے آپ لاإله إلاالله کی اذان دینے سے بھی بائیکاٹ کر دیں کہ ہمیں تو بائیکاٹ ہی کرنا ہے۔ یا اس دن کے انتظار میں ہوں گے کہ کوئی ایسا ایوان ظہور مہدی علیہ السلام کے بعد تشکیل پائے گا جس کی سو فیصدی اکثریت صلحاء، علماء اور متقین کی ہوگی تب ہم اپنے فرائض منصبی کے لیے میدان میں اتریں گے، جب کہ ایسے ایوان میں جانے ضرورت ہی پھر کیا رہے گی؟ یا پھر اس وقت تک ہماری ساری تگ و دو ان طاقتوں کی ہم نوائی یا انہیں نئی زندگی بخشنے تک محدود رہے گی جن سے ایک طویل اور مثالی جہاد کے بعد ہم نے گلو خلاصی حاصل کی اور جو اپنے دور میں شر و بدی، ظلم و عدوان، کفر و الحاد اور گناہ کی "سمبل" بن چکی تھیں اور جو آیندہ بھی خیر و بھلائی، حق و صداقت، دین اور اقدار دین کی اس طرح دشمن ہی رہیں گی جیسے وہ روز اول سے تھیں اور جن کے دبنے کی وجہ سے اور کچھ بھی نہ ہوا تو ننگا ناچنے والا ابلیس پس پردہ چلا گیا اور بدی کی طاقتیں مغلوب ہو کر رہ گئیں ہیں۔ ایسی طاقتیں جب علماء حق اور اہل حق کے کاندھوں پر سوار ہو کر ایک بار پھر اوج اقتدار تک رسائی پائیں گی، ان کا اولین نشانہ انتقام جو لوگ ہوں اس کا اندازہ معمولی بصیرت سے لگایا جا سکتا ہے۔

O

بہر حال بات مجلس شوریٰ کی ہو رہی تھی۔ اب جب کہ صحیح یا غلط یہ ادارہ تشکیل پا چکا ہے اور اس کے نامزد ارکان نے ایک بڑے چیلنج کو دین و ملک کی خاطر قبول کر لیا ہے، تو اس ادارہ کی ذمہ داری عنداللہ نہایت نازک ترین ہے۔ ان کے تمام ارکان کا بالعموم اور اہل علم علماء ارکان کا اولین فریضہ ہے کہ وہ ہر طرح کے گروہی تعصبات، ذاتی نظریات، مادی مفادات اور سیاسی مقاصد کو قطعاً بالائے طاق رکھ کر اور بلا خوف لومۃ لائم حق کہیں اور حق کے لیے لڑیں۔ مخلصانہ جذبہ اور للہیت پر مبنی حکمت عملی کو ملحوظ نظر رکھیں۔ پہلے بھی اسمبلیوں میں ہمارے مٹھی بھر اکابر کے ہاتھ میں تلوار تھی نہ ان کی اکثریت، مگر خالص کلمۃ اللہ کی سربلندی اور فریضۂ

اعلاء حق کے لیے انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور اس میدان سے سرخرو ہو کر نکلے۔اب بھی خدائے کریم (جو دلوں کے بھید جانتا ہے) سے یہی توقع ہے کہ وہ اپنی توفیق سے دست گیری کرے گا اور حق و صداقت کے امور میں پردۂ غیب سے ہر دم اور ہر لحظہ پورے ایوان (مجلس شوریٰ) کی رہنمائی کرتا رہے گا۔
و ما ذلك على الله بعزيز

و الله يقول الحق و هو يهدي السبيل

---o---

مولانا حبیب اللہ کی دعوت پر دورہ تنگی چارسدہ کا سفر اور مولانا شمس الحق افغانی کی عیادت:

۱۲رجب ۱۴۰۲ھ بمطابق ۶ مئی ۱۹۸۲ء کو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے مولانا حبیب اللہ جان فاضل حقانیہ کی دعوت پر تنگی چارسدہ کا سفر کیا،اور وہاں کے دینی مدرسہ میں درس قرآن کے اختتامی تقریب میں شرکت فرمائی،اس موقع پر بڑی تعداد میں علماء و متعلقین اور عام مسلمان موجود تھے۔

تقریب سے احقر نے بھی فضیلت علم پر خطاب فرمایا،حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے شام کو واپسی پر مدرسہ تعلیم القرآن عمرزئی کے قاضی فضل منان ، قاضی فضل دیان فضلائے حقانیہ کے دولت کدہ پر بھی تھوڑی دیر قیام کیا، دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ کے فضلاء حقانیہ مولانا گوہر شاہ صاحب،مولانا غلام محمد صادق وغیرہ کی خواہش پر چند لمحے ان کے ہاں بھی ٹھہرے،اور ترنگ زئی میں حضرت علامہ شمس الحق افغانی مدظلہ کے مکان پر ان کی عیادت بھی فرمائی،آپ ایک عرصہ سے صاحب فراش ہیں۔

مولانا میاں محمد جان آف خلجی کنڈر خیل پشاور کی رحلت

۱۲ مئی ۱۹۸۲ء بروز بدھ سرحد کے ایک ممتاز مخلص بزرگ مولانا میاں محمد جان صاحب مرحوم بانی مدرسہ حمایت الاسلام خلجی کنڈر خیل پشاور کا وصال ہوا، جو ایک مثالی صاحب زہد و تقویٰ نمونہ سلف بزرگ تھے،نماز جنازہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے پڑھایا،اس موقع پر تعزیتی خطاب بھی فرمایا،دارالعلوم سے کثیر تعداد میں اساتذہ وطلبہ نے بھی شرکت کی۔

جامعہ اسلامیہ راولپنڈی کی تقریب میں شرکت

۲۸رمئی جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ راولپنڈی کے تقسیم اسناد کی تقریب میں حضرت والد ماجد نے جناب قاری سعید الرحمٰن کی دعوت پر شرکت فرمائی،اور حفظ قرآن کی فضیلت پر خطاب فرمایا،اس تقریب میں مرکزی وزیر اطلاعات راجہ ظفر الحق صاحب بھی شریک تھے،خطبہ جمعہ سے قبل احقر نے تقریباً ایک گھنٹہ خطاب کیا۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا کی رحلت پر تعزیت وایصال ثواب اور ختم بخاری شریف

جون ۱۹۸۲ء بمطابق ۲رشعبان ۱۴۰۲ھ: کو بعد از نماز عصر جامع مسجد دارالعلوم میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے ختم بخاری شریف کی تقریب میں فارغ التحصیل طلبہ کو قیمتی نصائح اور نہایت اہم ہدایات اور مشوروں سے نوازا ،تقریر کے آغاز میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب قدس سرہ العزیز کے سانحہ ارتحال پر تعزیتی خطاب فرمایا،اور مرحوم کے رفع درجات کی دعائیں کی گئیں ،نماز عصر سے قبل تمام طلبہ نے قرآن مجید ختم کر کے حضرت مرحوم کو ایصال ثواب کیا،ختم بخاری شریف کا بھی حضرت قدس سرہ اور دیگر مشائخ کے لئے ایصال ثواب کیا گیا،دارالعلوم میں حضرت شیخ الحدیث مہاجر مدنی کی وفات کی اطلاع شدید رنج وغم سے سنی گئی ،بقیۃ السلف اور خادم حدیث نبوی کی جدائی سے ہر طرف سناٹا چھا گیا،حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ اور احقر کی طرف سے پاک وہند میں حضرت قدس سرہ کے قریبی حضرات علم وفضل کو تعزیتی خطوط بھی بھیجے گئے۔

سالانہ امتحانات

دارالعلوم کے سالانہ امتحانات ۱۲شعبان بمطابق جون ۱۹۸۲ء کو بخیر وخوبی انجام پذیر ہوئے،امتحانات تقریباً دو ہفتے جاری رہے،دورۂ حدیث اور شعبہ حفظ وتجوید کے امتحانات وفاق المدارس نے لئے جن کی طرف سے مولانا مجاہد خان الحسینی فاضل دیوبند نگران تھے،غیر وفاقی درجات کے امتحان مدرسہ کے اساتذہ نے تقریری اور تحریری طور لیا۔

حضرت شیخ الحدیث کے ماموں مولانا امیر اللہ خان کی جدائی

۷رجون ۱۹۸۲ء کو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے سگے ماموں جناب مولانا امیر اللہ خان صاحب کا انتقال ہوا، چند دن کی علالت کے بعد مردان کے سنٹرل ہسپتال میں صبح ۸ بجے وصال ہوا،تجہیز وتکفین ان کے گاؤں جہانگیر آباد نزد کلپانی ،اسٹیشن تحصیل مردان میں ہوئی،جو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کا ننھیال ہے، جنازہ حضرت مدظلہ نے پڑھایا،اور تمام اعزہ واقارب نے بڑی تعداد میں شرکت کی،مرحوم کے پسماندگان میں دو بیٹے جناب نصر اللہ خان اور جناب محمد سراج ہیں،اللہ تعالیٰ مرحوم کو درجات عالیہ سے نوازے۔

تعلیمی سال کا آغاز مولانا عبدالرحمٰن کی بحیثیت مدرس تعیناتی

۱۰رشوال ۱۴۰۲ھ ،اگست ۱۹۸۲ء کو نئے تعلیمی سال کا آغاز ہوا،اور بڑے جوش وخروش سے قدیم اور جدید طلبہ نے داخلہ لیا۔

۲۴رشوال کو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے دارالحدیث میں ترمذی شریف کے درس اور ختم کلام پاک سے افتتاح ہوا،افتتاحی خطاب میں حضرت نے طلبہ کو دوران تعلیم کے فرائض وآداب پر متوجہ فرمایا،اس سال

اساتذہ میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کوہستانی کا اضافہ کیا گیا، سبکدوش ہونے والے استاذ کی جگہ ان کی تقرری عمل میں آئی، اور اب وہ اعلیٰ فنون کی کتابیں پڑھا رہے ہیں،

موتمر المصنفین کے تصنیفی کام کی معاونت اور شیخ الحدیث کے امالی پر کام کیلئے مولانا عبدالقیوم حقانی کا تقرر

اسی طرح مولانا عبدالقیوم حقانی فاضل جامعہ حقانیہ کی تقرری بھی موتمر المصنفین کے تصنیفی کام کے علاوہ ایک آدھ گھنٹہ اسباق میں بھی پڑھائیں گے۔آپ کے ذمہ اصل کام حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی امالی ترمذی کی صفائی وترتیب کا ہے، جو موصوف احقر کی نگرانی اور تعاون واشتراک سے شروع کر چکے ہیں، صاف شدہ مسودہ بعداز عصر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کو سنایا جاتا ہے اور حضرت اس میں ترمیم واضافہ اور مکمل نظرثانی فرمارہے ہیں۔

حقائق السنن شرح جامع السنن کے نام سے اس عظیم الشان شرح کا آغاز ہو چکا ہے، کتاب کے افتتاح کیلئے احقر نے پچھلے سال ۱۰رمحرم الحرام ۱۴۰۱ھ کو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ اور تمام اساتذہ کو دفتر الحق میں زحمت دی تھی ،اور حضرت مدظلہ نے اپنے مبارک دستخط اور خطبہ مبارک لکھ کر اور سب اساتذہ نے مل کر اس کی تکمیل کی ،توفیق کی دعافرمائی ۔

دارالحفظ میں تعلیم وتدریس کا آغاز

دارالحفظ والتجوید میں بھی بحمداللہ تعلیم وتدریس کا کام باحسن طریقہ شروع ہوگیا ہے،اس وقت صرف شعبہ حفظ میں اسی بچے زیر تعلیم ہیں جن میں سے تقریباً ۵۰ طلبہ کی رہائش بھی دارالحفظ میں ہے تین جید قراء وحفاظ تدریسی خدمات میں مصروف عمل ہیں۔

پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی آمد

۳رستمبر:　صبح نو بجے پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب پروفیسر طاہر خیلی صاحب یونیورسٹی سنڈیکیٹ کے دیگر معزز ارکان کے ساتھ دارالعلوم تشریف لائے، میرے بھائی پروفیسر محمود الحق حقانی صاحب بھی ان کے ہمراہ تھے، احقر نے معزز مہمانوں کو دارالعلوم کے مختلف شعبوں کا معائنہ کرایا، جناب وائس چانسلر صاحب دارالعلوم کے وسیع تعلیمی واشاعتی کام اور تعمیرات کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے ، دارالعلوم کو تین ہزار روپیہ بھی پیش فرمایا، اور دونوں تعلیمی اداروں کی ہر طرح کے باہمی ربط وتعاون کی مخلصانہ پیش کش بھی فرمائی۔

مجلس شوریٰ کا سالانہ اجلاس

ستمبر۱۹۸۲ء:　کتب خانہ کے وسیع ہال میں مجلس شوریٰ دارالعلوم کا سالانہ اجلاس زیر صدارت جناب حاجی طاؤس خان صاحب جہانگیرہ منعقد ہوا، تلاوت کلام جناب مولانا عبدالخالق خطیب کوہ نور ملز راولپنڈی نے

فرمائی ،اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے استقبالیہ کلمات میں اراکین کاخیر مقدم کرتے ہوئے حفاظت دین اور مدارس عربیہ کی تاریخ پر روشنی ڈالی آپ نے فضلاء حقانیہ کی وسیع وہمہ گیر خدمات اوردارالعلوم کے ایک نئے شعبہ دائرۃ المعارف القرآنیہ"(دارالحفظ والتجوید) کے قیام پر بھی خداتعالیٰ کا شکریہ ادافرمایا،اس کے بعد احقر نے دارالعلوم کی سالانہ کارگذاری مصارف اورمدات آمدوخرچ پر مفصل رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ سال گذشتہ دارالعلوم کومختلف مدات سے بارہ لاکھ سولہ ہزار ترانوے روپے اکسٹھ پیسے کی آمدنی ہوئی،جبکہ مختلف شعبوں پر بارہ لاکھ اکتیس ہزار ایک سو اکتالیس روپے اٹھاسی پیسے خرچ ہوئے،سال رواں کیلئے گیارہ لاکھ پچاسی ہزار آٹھ سو اٹھانوے روپے بیس پیسے کا میزانیہ پیش کیا۔

ارکان شوریٰ نے بجٹ پر اطمینان کا اظہار کیا،اورمنظوری فرمائی،اس کے بعد حضرت والد ماجد مدظلہ نے گذشتہ سال وفات پانے والی عالم اسلام کی اہم دینی وعلمی شخصیت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ اوردیگر وابستگان دارالعلوم کیلئے دعائے مغفرت کی۔

سندات وفاق کا معادلہ صدر ضیاء الحق سے تبادلۂ خیال

۱۳رستمبر کو یونیورسٹی گرانٹس کمیشن اسلام آباد میں جناب وزیر تعلیم محمد علی خان ہوتی کی صدارت میں معادلہ اسناد مدارس کمیٹی کا اجلاس ہوا، احقر نے بحیثیت رکن کمیٹی اس اجلاس میں شرکت فرمائی ، اجلاس ۹ر بجے سے ایک بجے تک جاری رہا، اختتام پر ظہرانے میں جناب صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب بھی شریک ہوئے اور تقریباً ڈھائی گھنٹہ تک ارکان کمیٹی سے تبادلۂ خیال کیا،فضلاء مدارس عربیہ کے سند کو ایم اے کے برابر کردینے کے سلسلہ میں کئی امور کو حتمی شکل دی گئی اور تفصیلات طے کرنے کیلئے وفاق المدارس اور تنظیم المدارس کے زعماء سمیت ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی گئی۔

احقر کا سفر حج

۲۰رستمبر ۱۹۸۲ء:		کواحقر اسلام آباد سے عازم جدہ ہوا، روانگی کے وقت تمام طلبہ نے الوداع کہیں اوردعاؤں سے دارالحدیث میں جمع ہوکر نوازا۔

کلیۃ القرآن واستاد جامعہ مدینہ کی آمد

یکم ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ: پرنسپل کلیۃ القرآن والدراسات الاسلامیہ واستاد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ جناب الشیخ بلال دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے بعدازنماز عصر آپ نے طلباء سے خطاب بھی فرمایا۔

مولانا انظر شاہ کشمیری کی تشریف آوری اورطلباء سے خطاب

دارالعلوم دیوبند کے عظیم محدث حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے صاحبزادے حضرت مولانا انظر شاہ

کشمیری رحمہ اللہ دیوبند سے تشریف لائے ،حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم سے ملاقات کی، دوران گفتگو دارالعلوم دیوبند کے ماضی میں زبردست تاریخی کردار، اکابر اساتذہ کرام، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ، حضرت مدنی رحمہ اللہ، علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ،مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ اوران کے تدریسی، تصنیفی،علمی اورمجاہدانہ کارناموں،کاتذکرہ رہا،طلبہ کی خواہش پرمولانا انظرشاہ مدظلہ نے دارالحدیث میں ان سے خطاب بھی فرمایا تقریر کے اختتام پر دارالحدیث میں یہ منظر دیدنی تھا،کہ مولانا موصوف حضرت شیخ الحدیث سے اجازت حدیث کی درخواست کررہے تھے،اورحضرت کا اصرار تھا کہ میں اس کا اہل ہی نہیں ،مولانا کا اصرار ہی رہا،بالآخر حضرت نے اجازت حدیث مرحمت فرمائی۔

۱۰ر اکتوبر ۱۹۸۲ء: کی شب کوزیارت حرمین الشریفین کی سعادت سے مشرف ہوکر اسلام آباد واپسی ہوئی۔

۱۱ر اکتوبر ۱۹۸۲ء: دوسرے دن وفاقی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے بعد شام ۴ بجے دارالعلوم آیا، باہر سڑک پر تمام اساتذہ وطلبہ نے سینکڑوں تعداد میں دورویہ کھڑے ہوکر استقبال کیا، استقبال کے بعد دارالحدیث میں سب نے جمع ہوکر ناچیز کا خیرمقدم کیا اورحضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے تمام حاضرین کے لئے دعافرمائی۔

اے زائر بیت الحرم خوش آمدی!!

(۱۱ر اکتوبر ۱۹۸۲ء کواحقر کی واپسی پر دارالحدیث ہال کے استقبالیہ تقریب میں مولانا ابراہیم فانی صاحب نے ذیل کا استقبالیہ نظم سنایا)

حج بیت اللہ سے واپسی پر حضرت الاستاد مولانا سمیع الحق صاحب کو جذبات سپاس وتبریک

مرحبا اے زائر الحرم خوش آمدی — مرحبا اے اوستاد محترم خوش آمدی
مرحبا از مسکن محبوب رب العالمین — مرحبا از مدفن رب العالمین
مرحبا از مولد شمس الہدیٰ بدرالدجیٰ — مرحبا از مرقد خیرالوریٰ صدر العلیٰ
مرحبا اے نور چشم شیخ ومولائے ما — حج تو مبرور اقتدبر دیر مولائے ما
مرحبا خوش آمدی از مہبط روح الامین — از حریم مکہ واز وادی بطحائے ما
مرحبا از روضۂ ختم الرسل محبوب کل — وزریاض رشک جنت جنۃ الماوائے ما
مرحبا از کوئے آں یارے نگارے خوشترے — آں حبیب وآں طبیب جملہ علتہائے ما
مرحبا از جلوہ زار کعبہ وام القریٰ — آں خنک شہریکہ بروے جان ودل شیدائے ما
رحم کن مولا بفانی عاجز و بے چارۂ — بر طفیل مصطفیٰ آں شاہد زیبائے ما

مرحبا از مورد شمس الہدیٰ بدر الدجیٰ مرحبا از مسجد خیر الوریٰ صدر العلیٰ
مرحبا از گلشن محبوب رب العالمین مرحبا از موطن محبوب رب العالمین
مرحبا اے صاحب معجز قلم خوش آمدی از دیار سید فخر امم خوش آمدی

ہدیہ تبریک منجانب حافظ ابراہیم فانی، مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ۱۱ را کتوبر ۱۹۸۲

ڈاکٹر مصلح الدین کی آمد

۱۲ را کتوبر ۱۹۸۲ء: کو مشہور محقق اور سکالر جناب ڈاکٹر مصلح الدین مشیر صدر پاکستان برائے دینی تعلیم (سابقاً مقیم حیدرآباد دکن انڈیا) تشریف لائے، دارالعلوم کے دفتر میں حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم العالیہ سے ملاقات کی اور حضرت سے فلسفہ وریاضی کے اہم مباحث پر گفتگو کی اور محظوظ ہوئے، مؤتمر المصنفین، دفتر الحق، کتب خانہ، درسگاہوں، رہائشگاہوں اور دارالحفظ کا معائنہ فرمایا اور پھر میرے ہمراہ میں دارالعلوم کے شعبہ مڈل سکول کی کلاسوں میں بھی گئے اور دارالعلوم کے کاموں پر دلی مسرت کا اظہار فرمایا انہوں نے اپنے تاثرات میں لکھا۔

''اس درسگاہ کی خصوصیت یہ ہے کہ کہ اس کا انتظام نہایت ہی پرخلوص اشخاص کے ہاتھ میں ہے، اور طلبہ کی رہائش کا اہتمام بوجوہ احسن انجام پارہا ہے''۔

چینی علماء اور مسلمانوں کا ورود

۱۳ را کتوبر کو چینی مسلمانوں کا ایک وفد جو فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد پاکستان آیا ہے، اور جو آج کل ملک کا دورہ کر رہا ہے، پروگرام کے مطابق دارالعلوم حقانیہ آیا، حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم العالیہ اس وقت ترمذی شریف کا درس دے رہے تھے، وفد کے ارکان پہنچنے کے بعد والہانہ طور پر سیدھے دارالحدیث میں تشریف لے گئے اور حضرت کے درس میں شرکت کی سعادت حاصل کی، درس حدیث سے فراغت کے بعد مہمانوں نے حضرت مدظلہ سے پرتپاک مصافحہ کیا۔

چینی مسلمانوں سے شیخ الحدیث کا خطاب

اس کے بعد دارالعلوم کی طرف سے استقبالیہ تقریب منعقد ہوئی، جس میں اساتذہ اور طلبہ نے شرکت کی، حضرت مدظلہ نے استقبالیہ کلمات میں فرمایا۔

''آج یہ ساعت نہایت خوشی، مسرت، اور شادمانی کی ساعت ہے، کہ اس ملک سے جس کے بارے میں اطلبوا العلم ولو کان بالصین کہا گیا ہے کے معزز علماء اور مسلمان تشریف لائے ہیں چین جیسا وسیع اور بڑا ملک پاکستان کے ساتھ بہترین ومضبوط تعلقات اور حد

سے زیادہ دوستی ومحبت کے رشتہ میں منسلک ہے، یہی وجہ ہے کہ چین نے آپ جیسے قابل، لائق اور فائق اہل علم حضرات کو پاکستان کے مسلمان بھائیوں سے ملنے اوران کے حالات معلوم کرنے کیلئے بھیجا ہم بھی آپ حضرات کے حالات معلوم کرنے کے آرزومند تھے اس ضمن میں دوسال قبل میرا لڑکا سمیع الحق بھی چین گیا تھااور مسلمانوں کے حالات اور تفصیلات وہ مجھے سناتے رہے اورآپ لوگوں کے دوردراز علاقوں میں جاکر وہ بے حد خوش تھا، ہماری حسرت تھی کہ ہم اپنے ان بھائیوں کو دیکھیں، اورملاقات کریں تو آپ حضرات کاہم پر حد سے زیادہ احسان ہے کہ آپ نے قدوم میمنت سے مشرف فرمایا،ہم آپ کی آمد کے بہت شکرگذار اورممنون ہیں، حضرت مدظلہ العالی نے افغانستان کی جنگ آزادی میں چین کے تعاون پر حکومت کو بے حد سراہا اوردعافرمائی، کہ پاک چین تعلقات اور مضبوط ہوں اور یہ طائفہ اورعلماء کی یہ جماعت دین کی اوراسلام کی حفاظت کیلئے وہاں جاکر دین اسلام کی اشاعت کرے اورچینی مسلمانوں کونشاۃ ثانیہ نصیب ہوا،اوربہتر سے بہتر طریقے پر وہ مذہب اسلام پرکاربندرہ سکیں۔''

چینی وفد کے قائد جناب عبدالرحیم لتیب نے جواب تقریر میں حضرت کاشکریہ اداکرتے ہوئے فرمایا:

''ہمیں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب اورموجودہ تمام طلبہ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ،دارالعلوم دیکھ کر ہم بہت متاثر ہوئے، ہم مولانا کی پرجوش دوستانہ تقریر کاشکریہ اداکرتے ہیں،ہم آپ سے یہاں سیکھنے آئے ہیں،ہم مدرسہ دیکھیں گے ،آپ کو دیکھیں گے اورآپ سے سیکھیں گے''۔

اس کے بعددارالعلوم کے تمام شعبہ جات کوتفصیل سے دیکھا،کتب خانہ میں کتابیں بالخصوص قدیم قلمی نسخے دیکھ کرخوشی اورمسرت کااظہار کرتے رہے،وفد نے حضرت مدظلہ کواپنے ملک چینی رسم الخط میں ایک قیمتی طغریٰ تحفۃً پیش کیا، جسے دارالعلوم کے دفتر اہتمام میں آویزاں کردیا گیا،چینی وفد کے قائد عبدالرحیم لتیب نے رائے بک میں اپنے تاثرات بھی قلمبند فرمائے۔

فاضل دیوبند عالم کی قابل رشک موت

تلہ گنگ پنجاب کے مولانا حافظ نورمحمد فاضل دیوبند جن کا حضرت شیخ الحدیث مدظلہ اوردارالعلوم سے حددرجہ گہرا پرخلوص اورعقیدت مندانہ تعلق تھا،عیدالاضحیٰ کے خطبہ کے دوران فکرآخرت اورتیاریٔ موت کے عنوان پر تقریر فرماتے ہوئے خودموت کیلئے تیارہوگئے،اورنماز پڑھانے سے قبل اپنے خالق سے جاملے،انالله وانا اليه راجعون

مرحوم گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے،وفات سے ڈیڑھ ماہ قبل ختم بخاری شریف کے موقع پر

تشریف لائے اوراس موقع پر کمال اصرار سے حضرت سے بیعت بھی ہوئے۔

دارالعلوم میں ان کی وفات پر مغفرت کی دعائیں کی گئیں۔

دارالحفظ والتجوید کی انعامی تقریب

اکتوبر۱۹۸۲ء: محرم کے آخری ہفتہ میں دارالحفظ والتجوید میں درجۂ حفظ وقرأت کے طلبہ کی تربیتی واصلاحی تقریب منعقد ہوئی، جس میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی اوراکابر اساتذہ کرام اورطلبہ نے شرکت کی، طلبہ کے حفظ وقرأت تجوید، علمی مذاکروں، اورعربی گفتگوں،اورتقاریر تمام حاضرین کے لئے حد درجہ دلچسپ اورموجب حیرت تھی،حضرت شیخ الحدیث نے اس درجہ کے اساتذہ کرام مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب، قاری محمد سلیمان صاحب،قاری جمیل الرحمٰن صاحب،اورقاری علی الرحمٰن صاحب کی حسن کارکردگی اورطلبہ کے ساتھ زبردست محنت پر اطمینان کا اظہار فرمایا،اوردل سے دعادی اس موقع پر اعلیٰ درجہ پر فائز ہونے والے طلبہ کودارالعلوم کی طرف سے بطورانعام کتابیں دی گئیں۔

عطیہ کتب

علاقہ خٹک کی ایک معروف ادبی وعلمی شخصیت جناب محمدنواز خٹک شیدو حال صادق آباد مردان عرصہ سے علیل ہیں، جو پشتوادب اورشعروشاعری کااعلیٰ ذوق رکھتے ہیں اورکئی کتابوں کے مصنف ہیں، موصوف نے نادر کتابوں، رسائل ومجلات پر مشتمل اپنے کتب خانے کا ایک اہم حصہ دارالعلوم کے لئے وقف کردیا ہے، جس میں مولانا آزادکی الہلال جیسی نایاب فائل بھی شامل ہے،موصوف کی خواہش پر خوداحقران کتابوں کی وصولی کیلئے ان کے دولت کدہ پر حاضر ہوا،اورنہوں نے اپنے دل کے یہ سی پارے آئندہ کی حفاظت اورصدقہ جاریہ کے خیال سے میرے حوالہ کئے،اس علم دوستی کااللہ تعالیٰ خٹک صاحب کواجرعطافرمائیں۔

مولانا عبدالحلیم اورمولانا مصطفیٰ حسن کی علالت

دارالعلوم کے ایک بزرگ استادمولانا عبدالحلیم مردانی مدظلہ العالی استاد حدیث دارالعلوم حقانیہ بوجہ علالت اوائل ذی الحجہ میں بغرض علاج کراچی تشریف لے گئے تھے اورتقریباً دوماہ وہیں ہسپتال میں زیر علاج رہے،اب واپس گھر تشریف لائے ہیں، اوردارالعلوم کے ایک دوسرے استادمولانا مصطفیٰ حسن صاحب بھی عرصہ چارماہ سے صاحب فراش ہیں،معدے کاآپریشن زیرتجویز ہے۔

مجلس شوریٰ کی کمیٹی اجلاس میں شرکت کی مصروفیت

۱۳ تا۱۶نومبر: اسلامی نظام کے پیش رفت کے سلسلہ میں احقرنے وفاقی کونسل (مجلس شوریٰ) کے پہلے اجلاس میں جوقراردادیں پیش کی تھیں اس پر غورکرنے کیلئے قائم کی جانے والے کمیٹی کے اجلاسوں میں

شرکت کی ،اور۱۳رنومبر سے ۱۶رنومبر تک اسلام آباد میں اجلاسوں میں مصروف رہا۔

سہ ماہی امتحانات

صفر کے پہلے ہفتہ میں دارالعلوم حقانیہ کے سہ ماہی تحریری وتقریری امتحانات ہوئے جو ہفتہ بھر جاری رہے۔

مولانا مفتی محمد فرید صاحب کوصدمہ

۶ربیع الاول دسمبر۱۹۸۲ء: دارالعلوم حقانیہ کے استادحدیث مولانا مفتی محمد فرید صاحب کی والدہ ماجدہ انتقال کر گئیں،دارالعلوم کے اساتذہ وطلبہ بڑی تعداد میں ان کے گاؤں زروبی پہنچے اور جنازہ میں شرکت کی،حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی،مرحومہ نہایت صالحہ بزرگ معمر خاتون تھیں ،حضرت مفتی صاحب ملک سے وبیرون ملک بے شمار افراد نے اظہارتعزیت کیا،جس پر موصوف نے تمام حضرات کادلی شکریہ ادا کیا ہے۔

مولانا عبیداللہ انورصاحب کی آمد

۲۶ردسمبر: حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب لاہوری اورمولانا محمد اجمل خان چونکہ پہلے سے دارالعلوم تشریف لائے ،دارالعلوم کووہ اپنی آمد کی اطلاع دے چکے تھے،اسلئے حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم حددرجہ اشتیاق سے ان کی آمد کے منتظر تھے، ان کی تشریف آوری پر دارالعلوم کے اساتذہ اورطلباء نے ان کا زبردست اور پرجوش استقبال کیا،حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے اپنی افتتاحی تقریر میں معزز مہمانوں کاخیرمقدم کیا،اوران کی تشریف آوری کاشکریہ ادا کیا،اورحضرت لاہوری رحمہ اللہ کادارالعلوم حقانیہ سے خصوصی سرپرستانہ تعلق کاذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے ایک مرتبہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے اپنی ایک خاص مجلس میں فرمایا تھا کہ مجھے حضرت مدنی رحمہ اللہ کا پیغام ملا تھا کہ میں دارالعلوم حقانیہ کو دارالعلوم دیوبند سمجھتا ہوں۔اس کے بعد مولانا قاری محمد اجمل خان نے اپنے ولولہ انگیز خطاب سے سب کومحظوظ کیا، مولانا عبیداللہ انور صاحب نے اپنی پر اثر تقریر میں تحصیل علم کی ترغیب ، مقام علوم نبوت اورطلباء کوان کی موجودہ اورآئندہ ذمہ داریوں کااحساس دلایا،اس کے بعد دفتر اہتمام میں معزز مہمانوں کی ضیافت ہوئی،آغازتقریب میں احقر نے معزز مہمانوں کواستقبالیہ کلمات کہے۔

وفیات

دسمبر۱۹۸۲ء: تعزیت ہمارے محبین مخلصین حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب ،حضرت مولانا حافظ محمد نسیم صاحب ،فضلاء حقانیہ وصاحبزدگان حضرت علامہ قاضی عبدالکریم کلاچی ،ڈیرہ اسماعیل خان کی نانی طویل علالت کے بعد واصل بحق ہوئیں۔اسی طرح علاقہ چھچھ کے بقیۃ السلف عالم حضرت مولانا عبدالحکیم

صاحب حیدر کی صاحبزادی صاحبہ مختصر علالت کے بعد اچانک انتقال فرما گئیں۔

گوجرانوالہ کے حضرت مولانا عبدالواحد صاحب ایک مجاہد غیور اور درویش صفت عالم دین تھے، ان کی وفات سے ملت ایک ہمدرد و غم گسار ملک وملت سے محروم ہوگئی ہے۔

احقر کے ایک قریبی عزیز جناب خواجہ غلام فرید صاحب پشاور بھی بقضائے الٰہی وفات پا گئے، اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمادے۔ آمین

1983 کی ڈائری

آہ استاذنا المکرّم مولانا عبدالحلیم زروبوی کی رحلت

تو آگہی کہ مرا از غروب این خورشید چہ گنجہائے فراواں زیانِ جاں آمد

آہ کہ چمنستان علم وفضل اور گلستان قرآن وسنت کا سدابہار گل سرسبد مرجھا گیا اور گلشن دین متین کا چہکتا ہوا عندلیب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خاموش ہوگیا، دارالعلوم حقانیہ کے دارالحدیث کے درودیوار اس کی صدائے قال اللہ اور قال الرسول کیلئے ترستے رہ گئے، یعنی حضرت علامہ جامع المعقول والمنقول متکلم اسلام، شارح قرآن، ترجمان حدیث بقیۃ السلف حضرت الاستاد مولانا عبدالحلیم صاحب مردانی صدرالمدرسین دارالعلوم حقانیہ انتقال فرماگئے۔

۲۰ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ ۶ جنوری ۱۹۸۳ء بروز جمعرات غروب شمس سے قبل (ساڑھے چار بجے) آسمان علم وہدایت کا یہ درخشندہ آفتاب غروب ہوگیا۔

ان کی وفات کی خبر دارالعلوم حقانیہ اور پورے علاقے میں بجلی کی طرح پھیل گئی، دارالعلوم حقانیہ سے اساتذہ اور طلباء بسوں اور کاروں کے ذریعہ زروبی تحصیل صوابی روانہ ہوئے، دور دراز سے ہزاروں عقیدت مند اہل علم وفضل، متعلقین، اور عام مسلمانوں کا ایک سیلاب تھا، جو اس گاؤں کی جانب امڈ آیا، نماز جنازہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے پڑھائی، اور بعد از نماز مرحوم کے مناقب علمی انہماک اور پاکیزہ زندگی اور ان کی ولولہ انگیز جرأت وشجاعت کو خراج تحسین پیش کیا۔

تدفین کے بعد میں نے اپنے خطاب میں حضرت صدر صاحب مرحوم کی دارالعلوم سے تازیست وابستگی کو سراہا، اور پسماندگان کو صبر کی تلقین کی، ۹ رجنوری کو دارالعلوم کے دارالحدیث میں ایک تعزیتی اجلاس منعقد ہوا جسمیں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ دارالعلوم کے اساتذہ اور طلباء نے خطاب کیا، اس روز دارالعلوم کے تمام شعبوں میں ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی ہوتی رہی اور عام تعطیل رہی۔

افغان مجاہدین کی تعزیت کیلئے آمد

افغان مجاہدین کی کئی اہم جماعتوں کی مرکزی قیادت اورذمہ دار افراد پر مشتمل وفود مولانا عبدالحلیم مرحوم کی تعزیت کے سلسلہ میں دارالعلوم تشریف لائے، ان وفود میں مشائخ ،علماء اور کئی حقانیہ کے فضلاء شامل تھے، دفتر اہتمام میں ان کی ضیافت ہوئی، جہاد افغانستان اورموجودہ صورت حال، سے متعلق حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے ان وفود نے تبادلۂ خیال کیا، اوراہم مشورے دیئے اوردعائیں لیں، وفود قائدین نے اظہار خیال کے دوران جہاد افغانستان میں دارالعلوم حقانیہ کے مجاہدین فضلاء کے کردارکوزبردست خراج تحسین پیش کیا،ان حضرات کے علاوہ اوربھی ملک کے بے شمار اہل علم فضلاء اوراہل درد مسلمان تعزیت کے لئے تشریف لائے اورتعزیتی پیغامات بھی بھیجے۔

جامعۃ الازہر اورقاہرہ یونیورسٹی کے وائس چانسلروں کی آمد

۲۱رفروری ۱۹۸۳ء: جامعۃ الازہر کے وائس چانسلر الشیخ محمد طیب النجار اورقاہرہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر الشیخ حسین حمدی ابراہیم اوراسلام آباد یونیورسٹی کے وائس چانسلر شیخ حسن حامد دارالعلوم حقانیہ اپنے تعارفی ومطالعاتی پروگرام پرتشریف لائے۔اساتذہ اورطلبہ نے دورویہ قطاریں بناکر معزز مہمانوں کا پرجوش خیرمقدم کیا اتفاق سے دارالعلوم کے ششماہی امتحانات شروع ہوچکے تھے،اورجن طلبہ کا اس روز پرچہ تھا وہ امتحان گاہوں میں اساتذہ کی زیرنگرانی مصروف کار تھے،مہمانوں نے آتے ہی سب سے پہلے امتحان گاہوں کامعائنہ کیا، پرچہ سوالات اوران کے جوابات دیکھ کر حددرجہ مسرت کا اظہارکیا،اسکے علاوہ دارالعلوم کے مختلف شعبوں، کتب خانہ، الحق، مؤتمرالمصنفین اورشعبہ دارالتصنیف تشریف لائے اورہرجگہ ایک خاص حظ محسوس کیا،پھربعض دارالاقاموں (طلبہ کے ہاسٹلوں) کامعائنہ کرتے ہوئے جب تعلیم القرآن حقانیہ مڈل سکول پہنچے توطلباء نے پھولوں کے گلدستوں، پرجوش نعروں اورعربی مکالموں سے معزز مہمانوں کازبردست استقبال کیا،اس کے بعد مہمان دارالحفظ والتجوید تشریف لے گئے،وہاں طلبہ کی تعلیمی استعداد، تربیتی صلاحیت حفظ وقراءت ،عربی مکالے اوراستقبالیہ میں طلبہ کی اثر انگریز عربی تقاریر سن کر حیرت میں ڈوب کے رہ گئے اورجب ایک طالب علم نے حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پرحضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کلمات رنج وغم اورتعزیتی حدیث یاد سے پڑھ کرسنائی توسب کی آنکھیں پرنم اوراشکبار تھیں۔

دورہ حدیث کے طلبہ کے ہاسٹلوں کامعائنہ کرتے ہوئے،دارالحدیث پہنچے جہاں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ پہلے سے ان کے منتظر تھے،حضرت شیخ الحدیث سے پرتپاک معانقہ اورمصافحہ کیا،اس دوران اساتذہ اورطلبہ دارالحدیث پہنچ چکے تھے،حضرت شیخ الحدیث کی جانب سے مولانا انوارالحق صاحب نے مہمانوں کی خدمت میں خطبۂ استقبالیہ پیش کیا، اورمولانا غلام الرحمٰن صاحب مدرس دارالعلوم نے تعارفی

کلمات کہے ،اس کے بعد جامعۃ الازہر کے وائس چانسلر الشیخ محمد طیب النجار نے مفصل خطاب کیا، انہوں نے اپنی تقریر میں دارالعلوم حقانیہ ، اس کے تعلیمی اورروحانی ماحول ، تعلیم وتربیت اور جہاد افغانستان میں زبردست کردار کے پیش نظر اسے" الازھر القدیم "قرار دیا، اس تقریب کے بعد دفتر اہتمام میں معزز مہمانوں کوضیافت دی گئی، جہاں انہوں نے حضرت شیخ الحدیث سے تبادلۂ خیالات بھی کیا، رخصت ہوتے وقت انہوں نے حضرت شیخ کاشکریہ ادا کیا،اوردیر تک آپ کی پیشانی کو بوسے دیتے رہے۔

مولانا مصطفیٰ حسن کا انتقال

ماہ رواں جمادی الاول ۱۴۰۳ھ کی تیرہ تاریخ مطابق ۲۷فروری ۱۹۸۳ کودارالعلوم حقانیہ ایک اور بڑے صدمہ سے دوچار ہوا، ابھی حضرت علامہ مولانا عبدالحلیم مردانی قدس سرہ کا غم تازہ تھا، کہ دارالعلوم کے ایک جیداورممتاز استاد حضرت مولانا مصطفیٰ حسن نے داعی اجل کو لبیک کہا مولانا مرحوم ابھی کہولت کی سرحد کو پار نہیں کرپائے تھے،کہ خالق حقیقی کا بلاوا آیا،اوروہ علم ودین کی محفلوں کوافسردہ چھوڑ کر چلے گئے ، پاکستان میں دینی علوم کی تکمیل کے بعد وہ جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ گئے اوروہاں سے فراغت علوم کی ڈگری پائی ،فراغت کے بعد سعودی عرب کے ادارۂ افتاء وارشاد نے شوال ۱۴۰۰ھ میں آپ کی تقرری دارالعلوم حقانیہ میں کرائی ،اوراسی ادارۂ کی طرف سے آپ بطورمبعوث استاد کے فرائض انجام دیتے رہے ،پچھلے سال یکا یک معدہ کی بیماری نے آپکو گھیرلیا بہت علاج کیا گیا لیکن صحت نہ ہوئی ۔۱۳رجمادی الاول کورحلت فرماگئے ،حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی آبائی گاؤں حمید ضلع اٹک میں سپرد خاک کیا گیا۔فرحمہ اللہ وارضاہ

جامعۃ ام القریٰ مکہ کا علمی عطیہ

مارچ کے اوائل میں جامعہ ام القریٰ مکۃ المکرمۃ زادھا اللہ شرفا کی جانب سے دارالعلوم حقانیہ کی لائبریری کیلئے مختلف موضوعات پرجدید وقدیم کتابوں کا ایک گراں قدر عطیہ موصول ہوا،مولانا عبدالسبوح صاحب القاسمی لائبریرین خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں،ان شاء اللہ دارالعلوم حقانیہ اوراس کا وسیع علمی حلقہ ان نایاب علمی خزانوں سے فیض یاب ہوگا۔

ایک وقیع کتب خانہ کا دارالعلوم کیلئے وقف ہونا

حسن ابدال کے ایک بزرگ اورممتاز عالم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب آگروری مرحوم جواکابر واجلہ علماء دیوبند اور حضرت شیخ الہند قدس سرہ سے تلمذ رکھتے تھے، ان کے ہاں علوم کتاب وسنت و فقہ کا ایک شاندار علمی کتب خانہ تھا، جن میں بعض نادر علمی مخطوطات بھی شامل ہیں،مولانا مرحوم کی بیوہ محترمہ

نے یہ وقیع علمی کتب خانہ دارالعلوم کو وقف فرمادیا ہے اوراسی طرح الحمدللہ کہ ایک بقیۃ السلف عالم دین کی عمر بھر کا حاصل یہ کتب خانہ ضائع ہونے سے بچ کر دارالعلوم میں محفوظ کردیا گیا ہے۔

مولانا عنایت اللہ ابلاغ، مولانا غلام مصطفیٰ اور مولانا محمد اشرف کی تشریف آوری

مارچ کے پہلے ہفتہ میں جناب عنایت اللہ ابلاغ صاحب جو جامعۃ الازہر کے فاضل اور افغانستان کی سپریم کورٹ کے جج رہ چکے ہیں کئی ایک کتابوں کے مصنف بھی ہیں اوراب افغان مہاجر ہیں، دارالعلوم تشریف لائے، حضرت شیخ الحدیث سے ملاقات کی، اہم علمی مباحث پرتبادلۂ خیال کیا، نیز حضرت اقدس کو اپنی ایک گراں قدر تصنیف ''سیرت امام اعظم رحمہ اللہ'' مطبوعہ مصر بطور ہدیہ پیش کی۔

۱۴؍مارچ: مولانا غلام مصطفیٰ صاحب دارالعلوم عثمانیہ لاہور علماء اور فضلاء کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف لائے اور حضرت اقدس شیخ الحدیث مدظلہ کی خدمت میں قرآن مجید کا دوسوگیارہ سالہ قدیم نسخہ جو مولانا محمد غوث پشاوری ۱۲۱۳ھ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، کی مطبوعہ عکسی کاپی پیش کی۔

۱۷؍مارچ: مولانا محمد اشرف خان سلیمانی صاحب پروفیسر پشاور یونیورسٹی تشریف لائے، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے ان کے بیٹھک پر اوراحقر سے دارالعلوم حقانیہ میں ملاقات کی، اورحقائق السنن شرح اردو جامع السنن للترمذی (حضرت اقدس شیخ الحدیث مدظلہ کی آمالی ترمذی) کی ترتیب وتخریج پر حد درجہ مسرت اوران کی جلد از جلد اشاعت کا نہایت ہی مشتاقانہ اظہار فرمایا۔

تبلیغی جماعتوں کی آمد

اس ماہ بھی حسب سابق کئی تبلیغی جماعتیں تشریف لائیں کراچی سے کالج کے طلباء کی ایک تبلیغی جماعت کے ہمراہ جناب محمد اسماعیل صاحب پٹیل (جو انڈھیر نزد ڈابھیل کے رہنے والے ہیں، اوربیرون ملک بھی کئی تبلیغی دورے کرچکے ہیں) بھی تشریف لائے انہوں نے دفتر میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے بیرون ملک تبلیغی جماعتوں کے مساعی کارکردگی، انگلینڈ میں تیزی سے اسلام کی اشاعت اوروہاں کے لوگوں میں اسلام کیلئے طلب وتڑپ کا تذکرہ فرمایا۔

افغان مجاہدین کے وفود

اس ماہ بھی جہاد افغانستان کے زعماء اور قائدین کے کئی وفود دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، جواس وقت محاذ جنگ میں دشمن سے برسرپیکار ہیں، حضرت اقدس سے ملاقات کی اورکئی اہم امور پرتبادلۂ خیال کیا۔

ایرانی زعماء اورسفیر کی آمد

۱۲؍فروری: کو ایرانی علماء اورسکالروں کا ایک وفد دارالعلوم حقانیہ تشریف لایا، جس میں ایرانی پارلیمنٹ کے ممبر جناب استاد دکتور حسن روحانی جناب استاد سید رضا نقوی صاحب، مولانا شہداد صاحب قاضی اہل

السنۃ بلوچستان کے علاوہ پاکستان کیلئے ایرانی سفیر جناب ابوشریف صاحب بھی شریک تھے،انہوں نے اپنے خطاب میں جہاد افغانستان سے متعلق دارالعلوم حقانیہ اوراس کے فضلاء کے کردار کوسراہا،دارالعلوم کے مختلف احاطوں ، طلبہ کے ہاسٹلوں،دارالحفظ ، دارالتجوید اورکتب خانہ کامعائنہ کیا، دارالحدیث میں ہونے والے درس حدیث میں بھی کچھ دیر ان مہمانوں نے شرکت کی،بعد میں دفتر اہتمام میں انہیں ضیافت دی گئی، جہاں انہوں نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے مختلف امور پر تبادلہ خیالات کیا۔

اس وفد میں ایرانی بلوچستان کے اہل السنۃ کے قاضی جناب مولانا شہداد صاحب دیوبند میں حضرت شیخ الحدیث صاحب سے شرف تلمذ حاصل کرچکے تھے، مدتوں بعد اپنے شیخ سے مل کرانہوں نے بے حد خوشیوں کا اظہار کیا، کتاب ''سحاب الاراء'' میں مہمانوں نے اپنے وقیع تاثرات بھی قلم بند کیے۔

جناب نواز خان خٹک شیدواور مولانا دوست محمد فاضل سہانپور کی رحلتیں

دارالعلوم حقانیہ کے ایک مخلص اور علمی وادبی شخصیت جناب محمد نواز خان خٹک کا انتقال ہوا، مرحوم نے وفات سے قبل اپنے کتب خانہ کاایک بڑا حصہ دارالعلوم حقانیہ کی لائبریری کے لئے عطافرمایاتھا، اوربقیہ حصہ بھی دارالعلوم کے کتب خانہ میں شامل کرنا چاہتے تھے،کہ اچانک اس دارفانی سے دارالبقاء کو انتقال کرگئے نماز جنازہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے پڑھائی ،اوراپنے آبائی گاؤں شیدو میں مدفون ہوئے ،مرحوم کئی کتابوں کے مصنف تھے۔اسی طرح ایک اور خصوصی تعلق رکھنے والے بزرگ عالم حضرت مولانا دوست محمد صاحب فاضل مظاہرالعلوم سہانپور کا مردان کے قریب اپنے گاؤں میں انتقال ہوگیا،ان کے برادران اوراہل خاندان کے علاوہ کئی صاحب زادوں مولانا خلیل احمد صاحب وغیرہ نے بھی دارالعلوم میں تعلیم پائی ، مولانا سمیع الحق صاحب تعزیت کیلئے ان کے گاؤں محبت آباد(تمبولک) گئے اورتعزیتی خطاب کیا۔

تقریب نکاح فرزندِ مولانا عبدالسبوح قاسمی میں شرکت

نماز جمعہ کے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے مولانا عبدالسبوح قاسمی فاضل لائبریرین جامع ام القریٰ مکہ مکرمہ کے صاحبزادے محمد فواد کے عقد نکاح پڑھانے پشاور تشریف لے گئے،موصوف نے مکۃ المکرمۃ سے حضرت اقدس کی شرکت کی خواہش ظاہر کررہے تھے۔

مولانا مفتی عبدالقیوم پوپلزئی کی تعزیت

اس تقریب نکاح میں شرکت کے بعد حضرت مدظلہ سرحد کے ممتاز معمر اوربزرگ عالم مولانا مفتی عبدالقیوم پوپلزئی مرحوم (خطیب مسجد قاسم علی خان) جواسی دن انتقال فرماگئے تھے،کی تعزیت کیلئے ان کے گھر تشریف لے گئے اورلواحقین سے اظہار تعزیت کیا، دارالعلوم میں بھی مرحوم کے رفع درجات کیلئے دعائیں کی گئیں،شام کوحضرت واپس ہوئے۔

سلسلہ خطبات جمعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب
ضبط و ترتیب: مولانا حافظ سلمان الحق حقانی

صبر کی اہمیت

نحمدہ وتصلی علی رسولہ الکریم امابعد ! فاعوذباللّٰہ من الشیطٰن الرجیم
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (البقرۃ:۱۵۳)

''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے سہارا حاصل کرو بلاشبہ حق تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔''

عن صھیبؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عجبا لامر المؤمن ان امرہ کلہ خیر ولیس ذلك لاحد الا للمومن ان اصابتہ سراء شکر فکان خیراً لہ وان اصابتہ ضراء صبر فکان خیراً لہ (رواہ مسلم)

''حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن بندہ کا معاملہ بھی عجیب ہے، ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اگر اسے خوشی اور راحت پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہی خیر ہے اور اگر اسے کوئی دکھ اور رنج پہنچتا ہے تو اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لئے خیر ہی ہے۔''

بہترین تحفہ

معزز سامعین ! اللہ تعالیٰ نے انسان کی زندگی میں بہت زیادہ چیزیں مقرر فرمائی ہیں' جن کو ہر انسان کسی نہ کسی طرح سے استعمال کررہا ہے، اور ان ہی سہولیات وضروریات کے بناء پر ترقی کرتا ہوا، اپنی منزل کی طرف گامزن رہتا ہے، ہرانسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنی زندگی کے لئے چین وسکون کا خواہش مند ہے کہ اس کی زندگی ہمہ تن راحت وآرام چین وسکون میں گزرے، اس کو کسی بھی قسم کی تکلیف نہ پہنچے اوراسی خواہش کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے وہ دن رات محنت کرتا ہے، اور ہر وہ کام کرتا ہے جس سے اس کو چین وسکون ملے۔ مگر دوسری طرف رب العالمین کا ازلی فیصلہ سامنے آجاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح سے انسان کے لئے مقرر فرمایا ہے اور اس انسان پر کوئی غم، حادثہ، پریشانی یا کوئی اور رنج والم وغیرہ غیر متوقع امر پیش آتا ہے، جس کی وجہ سے انسان راحت وآرام، چین وسکون سے محروم ہوجاتا ہے، اب ان پریشانیوں

کا حل بھی اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے اور اس موقع پر رب کی طرف سے عظیم تحفہ صبر عطا کیا گیا۔ اور اسی صبر کی دولت سے مالا مال ہوکر انسان دنیا میں مصیبت و پریشانی کو راحت وخوشی میں تبدیل کرکے آخرت میں بھی رب العالمین کی طرف سے انعام کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

صبر کا معنی و مقام

محترم سامعین! صبر کیا چیز ہے؟ تو حضرت ذوالنون مصریؒ جو ایک بہت بلند پایہ اولیا میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ صبر یہ ہے کہ احکام الٰہیہ کی مخالفت سے دور ہونا، مصیبت ورنج والم سہتے ہوئے پرسکون رہنا، اور فقیری کی حالت میں مالداری ظاہر کرنے کا نام ہے، قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں صبر کے تین شعبے ذکر کیے گئے ہیں۔

۱) اپنے نفس کو ناجائز اور حرام کاموں سے روکنا

۲) اپنے نفس کو اطاعت خداوندی پر مجبور کرنا

۳) مصائب اور تکالیف پر صبر کرنا

قرآن مجید میں کئی مقامات پر مختلف انداز میں صبر کی تلقین اور اس کی فضیلت ذکر کی گئی ہے چنانچہ صبر کرنے والوں کے اجر وثواب کے بارے میں ارشاد ہے:

اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (الزمر:۱۰)

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے اجر دے گا۔

یعنی صبر کا بدلہ دیتے وقت کوئی حد مقرر نہیں فرمائی بلکہ لامتناہی اجر کا وعدہ فرمایا۔ اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (الانفال:٤٦)

"صبر کرو اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"

استعانت کا ذریعہ

ایک دوسری جگہ مومنین کو مدد مانگنے کا طریقہ سمجھایا کہ جب کوئی کام سخت پیش آجائے تو اللہ تعالیٰ سے دو چیزوں کے ذریعے مدد مانگو۔

اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (البقرة:١٥٣)

"صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"

اس آیت مبارکہ پر اگر ہم غور کریں تو صبر کی اہمیت مزید اجاگر ہوجائے گی کہ اللہ تعالیٰ مدد مانگنے

کے لئے دو چیزوں کا ذکر فرما کر صرف صبر کو اپنی معیت کا ذریعہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ ہے، یہاں مقصود نماز کی فضیلت کو کم کرنا نہیں ہے بلکہ نماز کی اہمیت و فضیلت تو مسلم ہے اس کے ساتھ صبر بھی بڑی فضیلت رکھتا ہے۔

حالات حاضرہ اور صبر

محترم حضرات! ہم اگر آج اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم تحفہ صبر کے دامن کو اپنا لیں تو آخرت کے ساتھ ساتھ ہماری دنیا بھی بہترین ہوگی ،آج معاشرے میں ہرطرف فتنہ وفساد برپا ہے، کوئی علاقہ ،شہر، گاؤں، محلہ اور گھر ایسا نہیں جس میں پریشانی، لڑائی جھگڑا نہ ہو، حتیٰ کہ ماں باپ، بیٹا بیٹی، شوہر بیوی ہر ایک کسی نہ کسی صورت ایک دوسرے کے ساتھ دست وگریبان ہے، معمولی اور چھوٹی سے بات پر بڑے بڑے جھگڑے فساد اور کبھی کبھی بات قتل و غارت تک پہنچ جاتی ہے، روزانہ اخبارات میں یہی خبریں موجود ہوتی ہیں کہ بچوں کی لڑائی میں بڑے کود پڑے اور اتنے آدمی قتل ہوگئے، اسی طرح میاں بیوی کے درمیان معمولی بات پر تکرار شروع ہوجاتی ہے اور بات طلاق پر ختم ہوجاتی ہے۔ برسوں کا رشتہ صرف ایک لفظ پر ختم ہوجاتا ہے، اگر ہم ان تمام فتنہ وفساد کی بنیاد پر غور کریں تو معلوم ہوجائے گا کہ صبر نہ کرنے کی وجہ سے ہم یہ سب نقصان اٹھا رہے ہیں، جب بھی کوئی جھگڑا یا تکرار شروع ہوجائے اور ایک فریق بھی صبر کا دامن تھام لے تو مسئلہ خود بخود حل ہوجائے گا۔

رفع درجات کا ذریعہ

معزز سامعین! انسانی زندگی میں روز اول سے ہی یہی ترتیب چلی آرہی ہے کہ کبھی خوشی اور کبھی غم، کبھی راحت کبھی مصیبت، کبھی مالداری تو کبھی مسکینی۔ اسی طرح کبھی صحت تو کبھی بیماری یہ تمام احوال اللہ تعالیٰ انسان کو آزمانے اور پرکھنے کے لئے کرتا ہے کہ میرا بندہ خوشی کی حالت میں میرا شکر یہ ادا کرتا ہے یا نہیں اور غم کی صورت میں صبر کرتا ہے یا نہیں؟ دونوں حالتیں مومن کے لئے رفع درجات کا سبب ہیں خوشی میں شکر ادا کیا تو اعلیٰ درجات اور دکھ وغم میں صبر کیا تو اعلیٰ درجات حاصل ہوتے ہیں، مومن کو اس دنیا میں جو بھی پریشانی آتی ہے خواہ وہ پریشانی بڑی اور ناقابل برداشت ہو یا چھوٹی ہو بہرصورت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر وثواب ملتا ہے۔

کلمہ استرجاع کی فضیلت

سیدہ عائشہؓ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ چراغ جل رہا ہے، اسی دوران ہوا کے جھونکے نے چراغ گل کردیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً فرمایا: انا للہ وانا الیہ راجعون تو حضرت عائشہؓ نے بڑی حیرانگی

سے پوچھا کہ یہ آیت تو بڑی مصیبت اور غم کے موقع پر پڑھی جاتی ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چراغ کا گل ہونا بھی مصیبت ہے جو اس پر بھی انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو اجر دیں گے۔

آج اگر ہم اس حدیث مبارکہ پر غور کرکے اس پر عمل کریں تو ہمارے لئے کتنی بڑی سعادت اور اجر وثواب کا باعث ہوگا۔ آج کے دور میں جب بجلی چلی جاتی ہے تو ہم کتنی عجیب وغریب اور نازیبا الفاظ منہ سے نکالتے ہیں اوران الفاظ کی جگہ یہی کلمات انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھیں تو اجر وثواب بھی مل جائے اور قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دنیا میں بھی عطا فرمادیں۔

صبر کے شعبے

بہرحال صبر وہ عظیم دولت ہے جو مومن کو مصیبت اور غم میں بھی تسلی اور سکون کا سامان مہیا کرتی ہے، لیکن صبر صرف اس چیز کا نام نہیں کہ بندہ کو کوئی صدمہ یا غم پہنچے اور وہ صبر کرے، بلکہ صبر کے تین شعبے میں نے آپ حضرات کے سامنے ذکر کئے ہیں جن میں پہلا شعبہ اپنے نفس کو ناجائز اور حرام کاموں سے روکنا ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ نفس کی خواہشات کو چھوڑ دینا اور چونکہ جب نفس کی خواہش پوری نہ ہوگی تو طبیعت پر بڑا شاق گزرے گا، اس پر صبر کرنا، چنانچہ اگر نفس حرام مال کا تقاضا کرتا ہے، گناہ کرنے کا تقاضا کرتا ہے تو نفس کو زبردستی اس کام سے منع کرنا اسی کا نام صبر ہے۔

دوسرا شعبہ اپنے نفس کو اطاعت خداوندی پر مجبور کرنا ہے کہ جو حکم بھی اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کا ہوگا کو بے چوں وچرا ماننا کہ نماز کا وقت ہے اور نیند کا بھی غلبہ ہے تو نیند پر صبر کرکے نماز کی ادائیگی کو یقینی بنائیں اور اس کا بہترین عملی مظاہرہ رمضان المبارک کے مہینے میں ہم کرچکے ہیں کہ تمام جائز چیزوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور حکم پر چھوڑ دیا اور اس پر صبر کیا۔

تیسرا شعبہ مصائب اور تکالیف پر صبر کرنا اور یہی مفہوم ہمارے ذہن میں ہر وقت موجود ہوتا ہے کہ صبر صرف مصائب وتکالیف کو برداشت کرنے کا نام ہے۔

صبر کا ثمرہ

محترم سامعین! صبر کا کوئی بھی شعبہ ہو مگر اجر وثواب سے خالی نہیں جب کسی کو صدمہ وغیرہ پیش ہوجائے تو اس کے لئے دخول جنت کا وعدہ ہے چنانچہ حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے:

عن معاذ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مامن مسلمین یتوفی لھما ثلاثۃ الا ادخلھما اللہ الجنۃ بفضل رحمتہ ایاھما فقالوا یارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اوا ثنان؟ قال اواثنان، قالوا اوواحد؟ قال : او واحد ثم قال والذی نفسی بیدہ ان

السقط ليجر امه بسرره الى الجنة اذا احتسبته (رواه احمد)

"حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان (والدین) میں سے جس کے تین بچے (حالت صغر میں) وفات پا جائیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل فرمائیں گے، تو صحابہ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر دو (بچے وفات پا جائیں) تو پھر؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو ہوں تو بھی جنت میں داخل فرمائیں گے، صحابہ نے عرض کیا کہ اگر ایک (بچہ وفات پا جائے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اگر ایک بھی ہو۔ پھر فرمایا اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے بے شک سقط (نا تمام بچہ) بھی اپنی ماں کو جنت میں داخل کر دے گا، اس حدیث مبارکہ میں بچے کی موت پر جنت میں داخلہ کا وعدہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی کا بھی بچہ جو صرف گوشت کا ٹکڑا ہو اور ساقط ہو جائے اور والدین اس پر صبر کریں تو یہ گوشت کا لوتھڑا بھی والدین کے لئے دخول جنت کا سبب ہے۔"

اظہارِ غم اور صبر

لیکن یہاں یہ بات بھی سمجھ لینا چاہیے کہ مصیبت یا تکلیف میں اظہار غم یا آنسو بہانا یا چہرے کا رنگ کا متغیر ہو جانا صبر کے خلاف نہیں ہے، بلکہ یہ ایک فطری تقاضا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا جب انتقال ہوا تھا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو بہے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار غم بھی فرمایا تھا کہ اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے نہایت غمگین ہیں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان غم اور آنسو بہانے کی وجہ دریافت کی گئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا غم کرنا اس طرح آنسو بہانا رحمت وشفقت کے سبب ہیں۔

محترم حضرات! صبر ایک عظیم تحفہ خداوندی ہے جس کے فضائل قرآن وحدیث میں بکثرت موجود ہیں بلکہ قرآن مجید میں حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کا مفصل ذکر موجود ہے۔ تکلیفات شرعیہ اور اطاعت احکام الٰہیہ جو نفس پر گراں گزرتے ہیں تو اسکا آسان علاج صبر ہے کیونکہ صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ اور جب کسی بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت اور طاقت ہو تو اس کا کون سا کام رک سکتا ہے اور کون سا غم اور مصیبت اس کو عاجز کر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے احکامات کی بجا آوری اور تمام مصائب ومشکلات پر صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ امین

مفتی محمد عمیر

اسلام کا نظام عدل

اسلامی قانون کی ابتدا اور اس کا آغاز اس طرح نہیں ہوا، جس طرح کہ رواجی قوانین کی ابتدا ہوئی اور نہ ہی اسلامی قانون کو اُن راہوں اور شاہراہوں سے گزرنا پڑا، جن راہوں سے تمام وضعی قوانین گزرے ہیں، اسلامی قانون میں ایسا نہیں تھا کہ شروع میں تھوڑے سے قواعد بنے اور پھر ان کی تعداد میں اضافہ ہوگیا ہو بلکہ جس وقت شریعت اسلامیہ کو ملاء اعلیٰ سے سید الملائکہ جبرئیل امین کی معرفت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل کیا گیا، اس وقت بھی یہ شریعت کامل، مکمل اور ہر لحاظ سے جامع تھی، جس طرح پیغمبر اسلام جامع تھے اسی طرح وہ قانون بھی جامع تھا، جو قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا۔ یہ ساری شریعت ۲۳ سال کے ایک مختصر عرصے میں نازل ہوئی اور پھر آخر میں فرمادیا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ: ۳)

اس قانون اسلامی کی جامعیت اور کاملیت کا یہ عالم ہے کہ یہ کسی ایک ریاست، ایک خطہ زمین، ایک قوم، ایک وطن کیلئے نہیں، بلکہ یہ ہر خاندان، ہر قبیلے، ہر ریاست، ہر وطن اور ہر رنگ و نسل کیلئے ہے، کیونکہ یہ اس ہستی کا وضع کردہ ہے جو رب العالمین ہے۔

قانون یا تو اللہ تعالیٰ کا ہوگا یا کسی انسان کا، لیکن ایک عادلانہ قانون کے بنانے والے میں مندرجہ ذیل چار اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) علم محیط (۲) رحمت کاملہ (۳) قدرت تامہ (۴) غیر جانبداری

علم محیط: اس لیے ضروری ہے کہ وہ انسانی حقوق کے ہر پہلو کا علم رکھتا ہو اور انسانی فوائد اور حقوق کے متعلق اس کی انسان کے تمام ادوار حیات پر نظر ہو، یعنی دنیا، قبر اور آخرت تا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ ایک دور کیلئے درست ہو اور باقی ادوار کیلئے غلط اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فیصلہ انسان کے انفرادی نتائج کے لحاظ سے بھی درست ہو اور اجتماعی لحاظ سے بھی، ظاہری نتائج کے لحاظ سے بھی درست ہو اور گہرے اور عمیق نتائج کے لحاظ

• اشاعتی امراوتی استاذ جامعہ اکل کوا

سے بھی، مثال کے طور پر اگر انسان سود کے جواز اور رضا مندی کے ساتھ زنا اور ہم جنس پرستی کے جواز کا قانون بنائے، جیسا کہ یورپ اور امریکہ میں ہے تو اس میں شخصی آزادی کے خوش نما جذبے کا تو لحاظ رکھا گیا، لیکن ان سب میں سوسائٹی اور معاشرے کے اجتماعی ضرر کا لحاظ نہیں رکھا گیا، اسی طرح سود کے عمیق نتائج یعنی حرص وہوس میں اضافہ، انسانی ہمدردی کا فقدان اور زنا، ہم جنس پرستی سے صحت انسانی اور عملی قوتوں کی کمزوری کی مضرتوں کو یک قلم نظر انداز کیا گیا ہے۔ نیز قبر و آخرت میں جو اُن پر عذاب ہوگا اس کو بھی پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔

رحمت کاملہ:

اس لیے ضروری ہے کہ عادلانہ قانون کی تدوین کے وقت غفلت نہ کی جائے اور دیدہ و دانستہ قانون میں ایسے اجزا اور ایسی شقیں شامل نہ کردی جائیں، جو انصاف کے تقاضوں کو پورا نہ کرتی ہوں۔

قدرت تامہ:

اس لیے ضروری ہے کہ وہ کسی دباؤ میں آکر عدل و انصاف کی شاہراہ سے انحراف نہ کردے یا مجرم کو سزا دینے میں کمزوری نہ دکھائے۔

غیر جانبداری:

اس لیے ضروری ہے کہ وہ ہم وطن، ہم قوم، ہم رنگ اور ہم زبان لوگوں کی طرف داری نہ کرے اور قانون سازی میں ان کی رعایت کر کے اوروں کو نقصان نہ پہنچائے، جیسا کہ امریکہ اور یورپ میں ان دنوں ہو رہا ہے۔

یہ چاروں صفات جو ایک عادلانہ قانون کی تشکیل کیلئے ضروری ہیں وہ صرف اور صرف ذات خداوندی میں موجود ہیں، نہ اس کے برابر کسی کا علم محیط ہے اور نہ ہی اس کے برابر کسی کی رحمت، نہ اس کے برابر کسی کی قدرت ہے کہ کسی سے دب کر قانون بنانے میں اس کی رعایت کرے یا مجرم کی سزا میں کمی سے ڈرے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے، جو غیر جانب دار ہے نہ وہ کسی کے ساتھ قومیت یا وطن میں شریک ہے کہ ہم قوم اور ہم وطن لوگوں کی رعایت کرے، نہ وہ کسی کا ہم رنگ اور ہم زبان ہے، بلکہ وہ تو ایک ایسی ذات ہے جو لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ اور لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ہے، نہ اس کی نسل ہے اور نہ کسی سے شرکت، اسی لیے عادلانہ قانون، جو ایک انسان کا فطری حق ہے، وہ فقط اُسی کی ذات کے ساتھ مختص ہے، علامہ اقبالؒ نے بالکل ہی درست کہا ہے......

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

لہٰذا ثابت یہ ہوا کہ انسانی حقوق کے متعلق قانون خداوندی کے سوا کسی انسانی قانون کی حکمرانی جاہلیت کی حکمرانی ہے: اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (المائدۃ: ۵۰) کیا وہ لوگ انسانوں کے جاہلانہ قانون طلب کرتے ہیں، بھلا اللہ سے بہتر قانون کس کا ہوسکتا ہے، اس قوم کیلئے جو حقیقت پر یقین رکھتی ہو؟

جب یہ خدا کا بنایا قانون ہے تو جس طرح خدا کے کاموں جیسا کام کوئی نہیں کرسکتا، ایسے ہی خدا کے قانون جیسا کوئی قانون بھی نہیں بنا سکتا۔ جو ہر طبقہ، ہر علاقہ، ہر خطہ زمین اور ہر زمانے کیلئے کارآمد اور مفید ہے، نہ اس میں کوئی ترمیم ہوسکتی ہے اور نہ ہی تنسیخ، کیوں کہ وہ اللہ کا قانون اور اللہ کا کلام ہے، اس لیے وہ دوسرے تمام رواجی قوانین کے مقابلے میں باوقعت بھی ہے اور باعظمت بھی۔ وجہ یہ ہے کہ کسی کلام یا قانون کی وقعت وعظمت کیلئے چند چیزوں کا ہونا ضروری ہے، جس کلام یا قانون میں یہ چیزیں موجود ہوں گی وہ کلام اور قانون عظیم ہوگا۔

باوقعت اور باعظمت قانون کیلئے ضروری چیزیں

(۱) ان میں سب سے پہلی شے علم وفضل ہے۔ اگر متکلم عالم وفاضل ہوگا، تو اس کا کلام بھی بلند وبرتر اور فصیح وبلیغ ہوگا اور اگر متکلم جاہل واحمق ہوگا تو اس کے کلام میں بھی جہالت وحماقت ہوگی اور آدمی اس کے کلام کو سن کر ہی یہ کہہ دے گا کہ یہ کسی جاہل اور احمق کا کلام ہے، اس سے یہ پتہ چلا کہ کسی کلام کے عظیم اور فصیح وبلیغ ہونے کیلئے پہلی چیز علم ہے۔

(۲) دوسری شے دانش وفہم ہے کیوں کہ علم کیلئے عاقل ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اس کا کلام مقتضائے حال کے مطابق ہو، اگر عقل ودانش اور فہم وفراست نہ ہوگی تو کلام ناقص اور غیر مؤثر ہوگا۔

(۳) تیسری شے منصب اور مقام ہے، کلام کرنے والا اگر عظیم منصب پر فائز ہے، صاحب حیثیت ومنصب ہے تو اس کے کلام کا ایک ایک لفظ نپا تلا ہوگا اور مقتضائے حال کے مطابق ہوگا اور سننے والے کے دل پر اثر بھی ہوگا اور اس کی وقعت بھی پیدا ہوگی کیوں کہ کلام کسی بھی شخص کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

جب یہ بات مسلم ہے کہ جس شخص کا علم جتنا بڑا ہوگا اتنا ہی اس کا کلام بھی بڑا ہوگا اور جس قدر کسی کا منصب بلند ہوگا اس کا کلام بھی اتنا ہی بلند ہوگا، اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو حق تعالیٰ شانہ کی ذات ہر

لحاظ سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے، علم ان کا لامحدود، ہر غیب و حاضر کا جاننے والا، وہ جس طرح بادل کی گرج کو سنتا ہے اسی طرح زمین کی تہہ میں چکنے پتھر پر جو چیونٹی چل رہی ہے، اس کے رینگنے کی آواز کو بھی سنتا ہے، پھر وہ سمیع و بصیر ہے، علیم بذات الصدور ہے۔ یعنی دلوں کے مخفی رازوں کو بھی جاننے والا ہے، اسلئے اس کا کلام بھی ظاہر و باطن کے لحاظ سے جامع ترین اور عظیم ترین ہوگا اس میں ہر لحاظ سے جامعیت ہوگی، فصاحت بھی اعلیٰ، بلاغت بھی اعلیٰ اور بداعت بھی اعلیٰ ترین ہوگی اور ایسی ہوگی کہ اس کی نہ کوئی حد ہوگی اور نہ انتہا۔ انسانی کلام کتنا ہی فصیح و بلیغ اور اعلیٰ قسم کا کیوں نہ ہو لیکن اس سے بہتر ممکن ہوسکتا ہے، کیوں کہ یہ ممکن ہے کہ اس سے بہتر فصیح و بلیغ انسان پیدا ہو جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے جو کلام فرمایا ہے اس سے بہتر ہو ممکن ہی نہیں، کیونکہ نہ خدا کی نظیر ہے اور نہ ہی اس کے کلام کی کوئی مثال۔ اس لیے فرمایا لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ یعنی اس کے کلام کا کوئی مثل نہیں لا سکتا، اس لیے کہ اس کی ذات و صفات کا کوئی مثل موجود نہیں۔

شریعتِ اسلامیہ اور وضعی قوانین میں تقابل

شریعت اسلامیہ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بنایا ہے کہ اس پر زمانے کے تغیرات اور نشیب و فراز کا کوئی اثر نہیں ہوتا، اس پر قدامت اور کہنگی کے کوئی آثار طاری نہیں ہوتے، شریعت اسلامیہ کی دفعات میں اس قدر عمومیت اور لچک موجود ہے کہ وہ ہر ممکنہ صورت اور حالت میں نافذ ہوسکتی ہے اور رواجی قوانین کے مقابلے میں شریعت اسلامیہ میں کوئی تغیر و تبدل اور اس کی دفعات میں ترمیم کی کوئی ضرورت پیش نہیں آتی، چنانچہ شریعت اور رواجی قوانین میں بنیادی فرق یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہے کیونکہ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ”اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں لیکن اس کے برعکس رواجی قوانین وقتی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں شریعت اسلامیہ اپنے نزول کے وقت ہی سے تمام جدید ترین نظریات کی حامل رہی ہے، جب کہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین ایک زمانہ گزرنے کے بعد بھی وہاں تک نہیں پہنچ پاتے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ شریعت اسلامیہ اور رواجی قانون میں باہم کوئی مماثلت نہیں ہے اور نہ ہی یہ دونوں مساوی درجے کی چیزیں ہیں۔

قانون چونکہ کہ انسانوں کا ایجاد کردہ ہے، جب کہ شریعت اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہے، اس لیے شریعت اور قانون دونوں ہی میں اپنے خالق کی صفات نمایاں ہیں، قانون چونکہ انسان کا بنایا ہوا ہے اور انسان عاجز و درماندہ ہے، اسلئے اس کے بنائے ہوئے قانون میں نقص، عجز، ضعف اور قلت فہم کی منفی صفات

موجود ہیں اور رہیں گی، اسی وجہ سے انسان کا وضع کردہ قانون ہمہ وقت ترمیم وتبدیلی سے دو چار ہوتا رہتا ہے، پھر یہ چاہے جتنا بھی باکمال بن جائے پھر بھی یہ مستقبل کے پردوں میں نہیں جھانک سکتا، اس کے مقابلے میں شریعت کا خالق خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے اور خالق کائنات تمام صفات میں باکمال ہے۔

اس لیے اس میں خالق کائنات کی قدرت کمال اور عظمت کی جھلک نظر آتی ہے، کوئی کمزور اور عجز وضعف اس میں دکھائی نہیں دیتا، پھر اس میں ماضی اور مستقبل کے تمام ممکنات پر محیط علم کی روشنی موجود ہے اور وہ ماضی حال اور مستقبل کے تمام مسائل اور معاملات کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اس لیے اس میں نہ تو کوئی ترمیم ہوسکتی ہے اور نہ ہی کوئی تبدیلی کا امکان ہے۔

اس سلسلے میں دوسری بات یہ ذہن میں رکھیں کہ قانون ان وقتی قواعد کا مجموعہ ہوتا ہے، جو ایک سوسائٹی اپنے مسائل کی تنظیم اور اپنی ضروریات کی تکمیل کیلئے خود مقرر کرتی ہے۔

اس لیے کہ یہ قواعد اس معاشرہ کے پیش رو نہیں بلکہ پیرو ہوتے ہیں یا اس معیار کے ہوتے ہیں، جس معیار کا وہ معاشرہ یا سوسائٹی ہوتی ہے لیکن جوں جوں وقت گذرتا ہے اور حال ماضی بن جاتا ہے تو مستقبل میں یہ قواعد پھر سوسائٹی کے معیار سے پیچھے رہ جاتے ہیں، کیوں کہ معاشرہ کی اقدار کہنہ اور (Out of Date) از کار رفتہ ہوجاتی ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ معاشرہ، جس تیزی کے ساتھ ارتقا پذیر ہوتا ہے، قوانین اسی سرعت اور تیزی کے ساتھ تبدیل نہیں ہوتے، اس سے یہ پتہ چلا کہ قانون ایسے قواعد اور رسوم کا مجموعہ ہوتا ہے، جو وقتی طور پر معاشرہ کے حالات سے ہم آہنگ ہوتے ہیں اور جونہی معاشرہ میں کوئی تغیر یا تبدیلی آتی ہے تو اس قانون میں تبدیلی بھی ناگزیر اور ضروری ہو جاتی ہے۔

اس کے برعکس اسلامی قانون ایسے قواعد کا مجموعہ ہوتا ہے، جنہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیشہ کیلئے معاشرہ کی تنظیم کیلئے مقرر فرمایا ہے اور اس کے قواعد دائمی اور ناقابل تغیر ہیں۔ یہ امتیازی خصوصیت شریعت اسلامیہ کے سوا اور کسی قانون میں نہیں، شریعت اسلامیہ کے قواعد اور اس کی دفعات اس قدر عمومیت اور لچک دار ہوتی ہیں کہ یہ قواعد و دفعات ہر آنے والے دور میں، معاشرے کے ارتقا کی ہر صورت میں بدلتے ہوئے حالات میں اور تمام متنوع ضروریات میں معاشرے کے تمام پیش آمدہ مسائل کا حل پیش کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں شریعت اسلامیہ کے قواعد اور دفعات میں پہلے ہی سے اس قدر ارتقائی کیفیات ہوتی ہیں کہ کسی بھی وقت اور کسی بھی دور میں وہ معاشرے کے معیار سے فروتر نہیں ہوتیں، انہیں محاسن کی وجہ سے شریعت اسلامیہ کو تمام آسمانی شریعتوں اور تمام دنیوی قوانین پر فوقیت حاصل ہے۔

ان تیرہ صدیوں میں انسانی معاشرے کے سماجی حالات کئی بار تبدیل ہو چکے، افکار و خیالات میں زبردست تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں اور ایسے نئے نئے علوم اور نت نئی نئی ایجادات معرض وجود میں آ چکی ہیں، لیکن اب بھی شریعت اسلامیہ کے قواعد وضوابط انسانی معاشروں کے معیارات سے کہیں بلند و بالا ہیں اور انسانی مسائل کے حل میں مختلف جدید قوانین سے کہیں زیادہ مفید، انسانی طبیعتوں سے زیادہ قریب اور انسانی امن وسکون کے زیادہ ضامن ہیں۔

اس سلسلے میں تیسری بات یہ ہے کہ معاشرہ اور سوسائٹی قانون بناتی ہے اور اسے اپنی عادات، روایات اور تاریخ کے رنگ میں رنگ لیتی ہے، گویا یہ قانون معاشرہ کی تنظیم کیلئے ہوتا ہے، معاشرہ کی رہنمائی کیلئے نہیں، اس لیے قانون معاشرے کے ارتقا سے پیچھے رہ جاتا ہے، کیونکہ معاشرہ ترقی کرتا رہتا ہے اور قانون اس کی ترقی کے تابع ہوتا ہے، اس لیے کہ قانون معاشرہ کا بنایا ہوا ہے، معاشرہ قانون کا بنایا ہوا نہیں۔

ابتدا ہی سے قانون کی یہی بنیاد چلی آ رہی ہے، اس کے مقابلے میں شریعت اسلامیہ کسی انسانی جماعت اور معاشرے کی ایجاد نہیں ہے اور نہ وہ قانون کی طرح معاشرے کے ارتقا کے تابع ہے، بلکہ شریعت اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہے، وہ اللہ جس نے اپنی ہر تخلیق کو نہایت مضبوط مستحکم طریقہ پر پیدا کیا ہے۔

مختصر یہ کہ مسلمانوں کو جب اللہ تعالیٰ نے حکومت کی نعمت سے نوازا تو انہوں نے جرم وسزا سے متعلق ایسا شاندار نظام دنیا میں روشناس کرایا کہ دنیا آج تک اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اسلام کا بے مثال قانون جرم وسزا

(۱) چوری: چوری کیا ہے؟ فقہا کے نزدیک چوری کی تعریف یوں ہے کہ کسی عاقل و بالغ کا خفیہ طور پر کسی شبہ کے بغیر کسی دوسرے شخص کا ایسا مال لے لینا، جو ہاتھ کاٹنے کے نصاب کے برابر ہو اور وہ مال کسی محفوظ جگہ میں ہو، مالیت رکھتا ہو اور جلدی خراب ہو جانے والا نہ ہو۔

چوری کی سزا اس آیت میں صراحتاً ہے وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ (المائدہ:۳۸) ''اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، ان کے کرتوتوں کے عوض میں اور اللہ کی طرف سے بہ طور عبرتناک سزا کے۔

موجودہ قوانین میں چوری کی سزا صرف قید ہے جو ہر جرم کے بارے میں عموماً اور چوری کے بارے میں خصوصاً، ایک ناکام سزا ہے وجہ یہ ہے کہ سزائے قید میں چور کے دل میں وہ نفسیاتی عوامل پیدا نہیں ہوتے، جو اسے جرم سے باز رکھ سکیں، کیوں کہ سزائے قید مجرم اور اس کے عوامل کسب میں صرف مدت سزا

تک حارج ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ جیل میں اسے کسب کی ضرورت نہیں ہے۔

وہاں تو حکومت کی طرف سے اس کی ساری ضروریات پوری کی جاتی ہیں، رہائی کے بعد پھر اسے کمانے اور اپنی دولت میں اضافہ کرنے کے مواقع مل جائیں گے، اسے پھر چھوٹ مل جائے گی کہ وہ اپنی دولت حلال طریقے سے کمائے یا حرام طریقے سے، کیونکہ وہ لوگوں کے سامنے ایک شریف انسان کی صورت میں ظاہر ہو کر انہیں دھوکہ دے گا اور لوگ اس کا تعاون کریں گے، لیکن سزائے قطع ید سے چور کی قوت عمل و کسب ختم ہو جاتی ہے یا کم از کم اس میں شدید کمی واقع ہو جاتی ہے۔

(۲) زنا اور اس کی سزا: احنافؒ کے نزدیک زنا کی تعریف یہ ہے کہ ایسی زندہ عورت کیساتھ رحم کی جانب سے مجامعت کرنا جو ملک اور نکاح میں نہ ہو اور نہ اس کے ملک اور نکاح میں ہونے کا شبہ ہو اور عورت زانیہ اس وقت دمار ہوگی، جب کہ وہ رضا کی حالت میں مرد کو اپنے ساتھ اس فعل کا ارتکاب کرنے دے۔

اگر زنا کرنے والا مرد یا عورت کنوارا یا کنواری ہوں تو ان کیلئے دو سزائیں حدیث میں آئی ہیں:

(۱) سوکوڑے (۲) جلاوطنی

سوکوڑے تو حد ہے، اس میں کسی بھی صورت میں کمی بیشی یا ردوبدل نہیں ہوسکتا، البتہ جلاوطنی کی سزا قاضی کی رائے پر موقوف ہے، اگر وہ مناسب سمجھے تو شہر بدر کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔ اور اگر زانی شادی شدہ ہے تو اس کی سزا رجم (سنگ سار کرنا) ہے۔

شریعت اسلامیہ زنا پر اس لحاظ سے سزا دیتی ہے کہ زنا سماجی وجود اور معاشرتی سلامتی پر اثر انداز ہوتا ہے اور یہ کہ خاندانی نظام کو نہایت بری طرح مجروح کر دیتا ہے، حالانکہ خاندان ہی وہ بنیاد ہے، جس پر معاشرہ استوار ہوتا ہے، اسی وجہ سے شریعت اسلامیہ معاشرے کے مضبوط پیوست اور ہم آہنگ رہنے کی بہت زیادہ متمنی ہے۔

اور جدید قوانین میں اگر باہمی رضامندی سے کوئی زنا کرے تو پھر سزا کا کوئی جواز نہیں بلکہ بے معنی ہے، اس لیے کہ زنا ان کے نزدیک شخصی امور میں سے ہے نہ کہ معاشرتی اور سماجی امور سے اور اس کے اثرات صرف افراد کے تعلقات پر مرتب ہوتے ہیں نہ کے سماجی مفادات پر۔

☆ شراب نوشی اور اس کی سزا: طبی اور اجتماعی لحاظ سے یہ ایک مسلم امر ہے کہ شراب ایک بے فائدہ چیز ہے اور اس کے نقصانات بہت زیادہ ہیں، اس سے عقل میں نقصان پیدا ہوتا ہے، صحت خراب ہوتی ہے اور بانجھ پن اور ضعف نسل پیدا ہوتا ہے، شرافت اور مال ضائع ہوتے ہیں۔

اسلام نے اسی وجہ سے چودہ سو سال قبل شراب کو نہ صرف حرام قرار دیا تھا، بلکہ اس کے پینے پر سزا جاری کر دی تھی، اب بیسویں صدی میں دنیا نے یہ گواہی دے دی کہ اسلام حق پر ہے، کیونکہ اب تو سائنس نے بھی یہ بتا دیا ہے کہ شراب ام الخبائث ہے، اس وجہ سے ہر سمجھدار شخص ترک شراب کی دعوت دیتا ہے۔

اسلام نے شراب کو قطعی اور کلی طور پر حرام قرار دیا ہے، اس لیے کہ یہ تمام بدکاریوں اور برائیوں کی جڑ اور بنیاد ہے، اس سے نہ صرف انسانی جان و مال کا ضیاع ہوتا ہے، بلکہ یہ صحت اور عقل کے پامال اور منہدم ہونے کا باعث بھی بنتی ہے، اگر کچھ لوگوں نے شراب کے فوائد بتائے بھی ہیں، تو وہ اس کے نقصانات کے مقابلہ میں اس قدر حقیر اور کم ہیں کہ ان کا شراب کے عظیم نقصانات اور گناہوں کے مقابلہ میں موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔

شراب نوشی کی سزا

جب کوئی شراب نوش مکلف ہو اور اپنی مرضی اور اس بات کو جانتے ہوئے کہ اس کا کثیر نشہ لاتا ہے شراب پیے اور شہادت یا اقرار سے یا کسی اور طریقے سے یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے شراب پی ہے، تو اسے کوڑے مارنا اور اس کی تفسیق کرنا واجب ہے۔

اسی طرح ڈکیتی اور رہزنی کی سزا، ارتداد کی سزا، قتل کی سزا، اسی طرح اجتماعی اور سیاسی جرائم جیسے رشوت وغیرہ لینے پر اسلام نے عادلانہ سزائیں مقرر کی ہیں (اسلام کا نظام عدل: مولف حکیم محمود احمد ظفر)

الغرض اسلام دین فطرت ہے، اس کا نظام خالق کائنات کا بنایا ہوا ہے، بریں بنا اس میں نا انصافی، ظلم و تشدد کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، بظاہر اس کی سزا مجرم کی انفرادی حیثیت سے کچھ سخت لگتی ہے، لیکن اس نتیجہ اور انجام معاشرے کے حق اور جماعت کیلئے کس قدر سکون پیدا کرتا ہے، امن کا ماحول قائم کرتا ہے، یہ تو جہاں یہ نظام صحیح طور پر نافذ ہے، وہاں کے حالات سے اور اسلامی دور کی صحیح تاریخ سے معلوم کیا جا سکتا ہے؟ لیکن یہ نظام ان ہی کو بھائے گا جو امن کے متلاشی ہوں گے، لیکن جو بھیڑ کے لباس میں بھیڑیے ہیں، انہیں یہ نظام کیسے راس آ سکتا ہے؟ یہ تو ان کی ظلم اور درندگی کی جڑ ہی کاٹ ڈالے گا، اسلئے ان درندوں کو اسلامی نظام پسند نہیں اور وہ اس کی خوبیوں کو فریب اور پروپیگنڈہ کے ذریعے خامیوں اور ظلم پر مبنی باور کرانے پر تلے ہیں، جب انہیں حقیقی معنوں میں معاشرے کا علاج مقصود ہی نہیں، تو پھر انہیں اسلامی نظام میں کجی اور کمی نہ ہوتے ہوئے بھی نظر آنا لازمی ہے اور اس صورت میں معاشرے اور پورے عالم میں امن قائم کرنا مشکل ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ شاہراہ علم)

مولانا سید متین احمد شاہ٭

کیا خلافت ایک دینی اصطلاح ہے؟

حلقہ غامدی کا مؤقف، دبستان شبلیؒ کے تناظر میں تنقیدی جائزہ

پاکستان میں جاری شدت پسندی اور انتہا پسندی کے بیانیے کے حوالے سے ایک تفصیلی مکالمہ جاری ہے، جس میں ایک فریق معروف سکالر جاوید احمد غامدی اور ان کے تلامذہ جبکہ دوسری جانب روایتی علمائے کرام شامل ہیں، اس مکالمہ میں غامدی صاحب نے خلافت کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے کہ خلافت کوئی دینی اصطلاح نہیں، غامدی صاحب کے اکثر تلامذہ نے بھی اس موقف کو اختیار کیا جس میں معروف دانشور و کالم نگار خورشید ندیم صاحب نے اس پر خوب لکھا، چونکہ غامدی صاحب اپنی فکر کو مولانا حمید الدین فراہیؒ اور مولانا امین حسن اصلاحیؒ سے جوڑتے ہیں۔ جسے وہ ''دبستان شبلیؒ'' کا نام دیتے ہیں، معروف نوجوان سکالر اور محقق مولانا سید متین احمد صاحب نے حلقہ غامدی کے اس موقف کا خود انہی کے دبستان شبلی کے تناظر میں تنقیدی جائزہ لیا ہے، آئندہ بھی ایسے سنجیدہ مکالے کیلئے ''الحق'' کے صفحات منتظر ہیں ....(ابن مدنی)

---

12 اپریل 2017 کے ایک کالم میں جناب خورشید احمد ندیم نے محترم جاوید احمد غامدی صاحب کے جوابی بیانیے کے الفاظ کو نکات کی شکل میں ملخص کر کے پیش فرمایا ہے۔ بات پرانی ہے، اس پر لکھا بھی بہت کچھ جا چکا ہے۔ ان سطور میں پہلے سوال پر گفتگو کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کیا خلافت کوئی دینی اصطلاح ہے؟ دینی اصطلاح ہونے کا تعلق ظاہر ہے قرآن وسنت کے فہم سے عبارت ہے جسے وحی کا دروازہ بند ہونے کے بعد انسان سمجھ کر اخذ کرتے ہیں۔ ان میں کچھ چیزیں تو ایسی بدیہی ہوتی ہیں کہ ان کا انکار ممکن نہیں ہوتا، جب کہ کچھ چیزیں فہم و استنباط سے تعلق رکھتی ہیں؛ البتہ اگر فہم و استنباط کو ہر عصر و مصر میں پذیرائی مل چکی ہو تو یہ اس فہم کے نہایت مضبوط ہونے کا ایک قرینہ ہوتا ہے، کیوں کہ حدیث پاک میں

٭ نائب مدیر سہ ماہی ''فکر و نظر'' اسلام آباد

فرمایا گیا ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی۔ خلافت کے دینی اصطلاح ہونے پر مسلم فکری روایت میں تو کافی کچھ موجود ہے، البتہ یہاں خود اس مدرس فکر میں تصور خلافت پر جو کچھ موجود ہے، اسے ان سطور میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس مدرسہ فکر کو محترم جاوید احمد غامدی صاحب دبستانِ شبلی کا نام دیتے ہیں (مقامات، ص ۵۴) وہ فرماتے ہیں کہ اس دبستان میں جس شخص کو امام العصر کہنا چاہیے، وہ تنہا حمید الدین فراہی ہیں۔ اور آنے والے دور کی امامت دبستان شبلی کے لیے مقدر ہے۔ تاریخ کے مرحج پر اب پس پردہ اسی کے ظہور کی تیاری ہو رہی ہے۔ (ص ۶۰)

لفظ وتواصوا سے خلافت کا وجوب

سورہ عصر کی تفسیر میں مولانا حمید الدین فراہیؒ ایک عنوان قائم کرتے ہیں: "لفظ وتواصوا سے خلافت کا وجوب؛ اس کے تحت انھوں نے لکھا ہے: انسان کی عام نامرادی بیان کرنے کے بعد ان لوگوں کی خصوصیات بیان کیں جو اس حیات چند روزہ کے بدلے ابدی مسرت و کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ان لوگوں کی تین خصوصیتیں بیان فرمائی ہیں، ایمان، عملِ صالح اور تواصی، ان تین صفتوں نے اپنے اندر دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں سمیٹ لی ہیں، جو لوگ اس کلام پر غور کریں گے، وہ محسوس کریں گے کہ باجود غایت ایجاز ان الفاظ کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ نیکی اور بھلائی کی قسم کی کوئی بات ان کے دائرہ سے باہر نہیں رہ گئی ہے۔ ایمان تمام عقائد کا شیرازہ ہے۔ عمل صالح تمام شریعت کا مجموعہ ہے اور تواصی ایک رتبہ کمال وفضیلت ہے جو اللہ تعالی نے اس امت کے لیے مخصوص فرمایا اور اس امت میں سے بھی خاص طور پر ان لوگوں کیلئے جو اس کے رہنما ہیں، کیوں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اصل ذمہ داری انھی پر ہے۔ اس تواصی کے ذریعے اللہ تعالی نے اس امت کی شیرازہ بندی فرمائی ہے اور ان کو اختلاف و نزاع کے تمام خطروں سے محفوظ کر کے بھائی بھائی بنادیا ہے۔ جب تک امت کے اندر یہ نظام باقی رہا، اس کے قدم برابر ترقی کی راہوں میں بڑھتے رہے، جیسا کہ اوائل خلافت میں ہم دیکھتے ہیں لیکن جب یہ نظام درہم برہم ہو گیا، تو دفعتا بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ قرآن کی آیتِ ذیل میں اس فریضہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (ال عمران: ۱۰۴)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس امت کے اہم فرائض میں سے ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق دوسری آیات بھی وارد ہیں، لیکن یہ امر واضح رہے کہ اس کی اصلی ذمہ داری، جیسا کہ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ سے متبادر ہوتا ہے، امت کے لیڈروں پر ہے۔ البتہ تواصی فرض عام ہے

جس میں تمام مسلمان برابر کے شریک ہیں۔ اس سے معاملہ کی اصل حقیقت سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عملِ صالح کریں، پھر ادائے حقوق کے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور چونکہ ادائے حقوق بغیر خلافت و سیاست کے ناممکن ہے، اس لیے ضروری ہے کہ خلافت قائم کریں اور خلافت کا قیام چوں کہ اطاعتِ امیر پر منحصر ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ان کے اندر اطاعت بھی موجود ہو۔ (مجموعہ تفاسیر فراہی، ۳۳۲۔۳۳۳)

خلافت کے قیام کا مقصد

مذکورہ بالا آیت سے پہلے اور مابعد کی آیات کو چونکہ مولانا فراہی نے فریضہ خلافت کی قرآنی اصل قرار دیا ہے، اس لیے مولانا امین احسن اصلاحی نے ان آیات کے تحت جو کچھ لکھا ہے، اس پر مولانا اصلاحی کی ان آیات کی تفسیر سے صحیح روشنی پڑتی ہے،وہ لکھتے ہیں: خلافت کے قیام کا بنیادی مقصد: یہ، امت کو اس اہتمام و انتظام کی ہدایت فرمائی گئی ہے جو اعتصام بحبل اللّٰہ پر قائم رہنے، اور لوگوں کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے یہ ہدایت ہوئی کہ مسلمان اپنے اندر سے ایک گروہ کو اس کام پر مقرر کریں کہ وہ لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے۔ معروف و منکر سے مراد شریعت اور سوسائٹی دونوں کے معروفات و منکرات ہیں اور ان کے لیے امر و نہی کے جو الفاظ استعمال ہوئے ان کا غالب قرینہ یہی ہے کہ یہ کام مجرد وعظ و تلقین ہی سے نہیں انجام دینا ہے بلکہ اختیار اور قوت سے اس کو نافذ کرنا ہے جو بغیر اس کے ممکن نہیں کہ یہ گروہ امت کی طرف سے سیاسی اقتدار و اختیار کا حامل ہو۔ اگر تنہا دعوت و تبلیغ ہی سے یہ کام لینا مدنظر ہوتا تو اس مطلب کو ادا کرنے کے لیے یدعون اِلی الخیرِ کے الفاظ کافی تھے۔ یامرون بِالمعروفِ کی ضرورت نہیں تھی۔ ہمارے نزدیک اس آیت سے اس امت کے اندر خلافت کے قیام کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی حکم کی تعمیل میں مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلا کام جو کیا وہ خلافت علی منہاج النبوت کا قیام تھا۔ اس ادارے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہ اس امر کی نگرانی کرے کہ مسلمان اعتصام باللہ کے نصب العین سے ہٹنے نہ پائیں۔ اس کے لیے جو طریقے اس کو اختیار کرنے تھے وہ اصولی طور پر تین تھے۔ دعوت الی الخیر، امر بالمعروف، نہی عن المنکر۔ انہی تین سے خلاف راشدہ کے دور میں وہ تمام شعبے وجود میں آئے جو ملت کی تمام داخلی و خارجی ذمہ داریوں کے ادا کرنے کا ذریعہ بنے۔ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ کا تعلق صرف اس مخصوص گروہ ہی سے نہیں ہے بلکہ یہ اشارہ پوری امت کی طرف ہے کہ جو امت اعتصام باللہ کیلئے یہ اہتمام کرے گی وہی دنیا اور آخرت میں فلاح حاصل کرنے والی بنے گی۔

سورہ صافات کی آیت ۱۶۷ میں مولانا اصلاحی ایک گروہ پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: آج کتنے لوگ ہیں جو بڑے طنطنہ کے ساتھ دعوی کرتے ہیں کہ اگر ان کے ہاتھ میں حکومت کی باگ پکڑا دی جائے تو وہ دنیا کو خلافت فاروقی کا جلوہ از سرنو دکھا دیں گے لیکن جب ان کا امتحان ہوتا ہے تو وہ پہلے ہی قدم پر بالکل نالائق، خائن اور چور ثابت ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ بہت کم نکلتے ہیں جو اس ذمہ داری کے اہل ثابت ہوں اور ان لوگوں کے اندر تو ایک بھی اہل نہیں نکلتا جو بڑے بلند بانگ دعاوی کے ساتھ اس کے مدعی بن کر اٹھتے ہیں۔ اس دنیا کی پوری تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے۔ یہاں بھی جو اس ذمہ داری کے اہل کے الفاظ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی ذمہ داری بہرحال ہے۔ سورہ اعراف کی آیت ۶۹ میں ہے: وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ

خلافت یا سیاسی تمکن واقتدار

اس کی تفسیر میں مولانا اصلاحی لکھتے ہیں: قوم نوح کے بعد عاد کو خلافت دیے جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کو بعینہ اسی علاقے میں اقتدار حاصل ہوا جس میں قوم نوح کو حاصل ہوا۔ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ قوم نوح بالکل شمال میں تھی اور عاد کا علاقہ عرب کا جنوبی علاقہ تھا۔ اس خلافت کا مطلب صرف یہ ہے کہ جس طرح قوم نوح کو اقتدار و تمکن حاصل ہوا اسی طرح ان کے بعد تم کو حاصل ہوا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں جو لفظ خُلَفَآءَ آیا ہے، اس کی وضاحت مولانا اصلاحی کے نزدیک سیاسی تمکن اور اقتدار ہی ہے۔

حکمرانی کا اصل جوہر

سورہ الانبیاء میں ہے: وَ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ اس کی وضاحت میں مولانا اصلاحی نے لکھا ہے: یعنی ہم اس خاندان کے لوگوں کو اپنی زمین میں حکومت دے کر بالکل الگ تھلگ نہیں جا بیٹھے تھے بلکہ دیکھتے رہے تھے کہ وہ کیا بناتے ہیں، رعایا کے اندر امن و عدل قائم کرنے کا ان کو کتنا احساس ہے، اور اپنی ذمہ داریوں کے معاملے میں وہ کتنے زیرک، کتنے محتاط اور کتنے بے نفس اور غیر جانب دار ہیں۔ چنانچہ ان باپ بیٹے نے یہ ثابت کر دیا کہ دونوں اس منصب کے پوری طرح اہل ہیں۔ بیٹے نے جونہی محسوس کیا کہ باپ سے درباب عدل لغزش ہوئی اس نے اپنا حق نصیحت ادا کیا اور باپ نے جونہی محسوس کیا کہ بیٹے کی رائے زیادہ قرین عدل ہے بے چوں و چرا اس نے حق کے آگے اپنے آپ کو جھکا دیا، یہی کردار حکمرانی کا اصل جوہر ہے اور اللہ تعالی جن کو اپنی زمین میں خلافت دیتا ہے اسی جوہر کو پرکھنے کے لیے دیتا ہے۔

تفسیر کا سیاق وسباق واضح طور پر بتاتا ہے کہ یہاں مولانا اصلاحی خلافت کو حکمرانی کے تناظر میں دیکھ رہے ہیں۔

خلافت محض سیاسی اصطلاح نہیں

سورہ البقرہ میں قتلِ جالوت کی آیت فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (البقرہ: ۲۵۱) کے ضمن میں مولانا اصلاحی لکھتے ہیں: یہ ان انعامات کا بیان ہے جو اس واقعے کے بعد حضرت داؤد پر ہوئے۔ اس کے بعد وہ طالوت کے داماد بھی ہو گئے اور پھر بنی اسرائیل کے بادشاہ بھی۔ علاوہ ازیں ان کو حکمت کا وہ خزانہ بھی عطا ہوا جس کا مظہر زبور ہے۔ درحقیقت یہی حکمت ہے جس کا جوڑ جب بادشاہی کے ساتھ ملتا ہے تو وہ بادشاہی زمین میں خدا کی خلافت کا درجہ حاصل کرتی ہے۔ یہ نہ ہو تو بادشاہی چنگیزی ہے۔ بادشاہی اور درویشی کا یہی امتزاج ہے جو اللہ کی نظروں میں پسندیدہ ہے اور حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سب درویش بادشاہ تھے اس لیے کہ ان کی بادشاہی کا تخت و تاج سونے چاندی سے نہیں بلکہ حکمت کے لعل و گہر سے آراستہ ہوا تھا۔

یہاں یہ الفاظ پھر سے ملاحظہ کیجیے: درحقیقت یہی حکمت ہے جس کا جوڑ جب بادشاہی کے ساتھ ملتا ہے تو وہ بادشاہی زمین میں خدا کی خلافت کا درجہ حاصل کرتی ہے۔ ان الفاظ سے بہت واضح طور پر یہ سامنے آتا ہے کہ بادشاہی کے مقابلے میں خلافت وہ چیز ہے جو اللہ کے مطلوبہ اوصاف کی حکمرانی ہے۔ خدا کی خلافت کے الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحی کے نزدیک یہ محض سیاسی اصطلاح نہیں۔

خلافت دبستان شبلی کی صدا

تدبرِ قرآن کے علاوہ مولانا اصلاحی نے اپنی کتاب اسلامی ریاست اور تزکیہ نفس (جسے مولانا اصلاحی نے اپنی دینی فکر کا لبِ لباب قرار دیا ہے۔) میں بھی اسلام کے نظمِ اجتماعی کی وضاحت میں یہی توجیہات اپنائی ہیں۔

مولانا فراہی اور اصلاحی کی یہ تصریحات بتاتی ہیں کہ تصورِ خلافت، چمنِ اسلام میں کوئی ایسا اجنبی پودا نہیں، جسے فتنِ عجم کی باقیات نے اپنی کارگاہِ اوہام میں تخلیق کر کے انسانیت کو اس کے بارے میں شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ (النور: ۳۵) ہونے کا تاثر دیا ہو؛ بلکہ یہ "دبستان شبلی" کی صدا بھی ہے، جس کے لیے تاریخ کے مرحلے پر پس پردہ ظہور کی تیاری ہو رہی ہے۔ معلوم نہیں یہ دبستان شبلی حقیقت

میں وہی مراد ہے جس کے افراد میں مولانا فراہی اور اصلاحی شامل ہیں یا اس کی وہ صورت (کافی حد تک مسخ اور تغیر شدہ) جو محترم جاوید صاحب کے ہاں ملتی ہے۔

غامدی بیانیہ پوسٹ نائن الیون کے حالات کا نتیجہ

اب محترم جاوید صاحب کا یہ کہنا کہ خلافت سرے سے کوئی دینی اصطلاح ہی نہیں، ظاہر ہے کہ کوئی وحی پر مبنی بات نہیں جس پر اصرار فرمایا جائے، بلکہ ان کا ذاتی فہم ہے۔ اس فہم میں انھیں مخلص بھی سمجھا جا سکتا ہے اور ایک علمی رائے کے طور پر اس کا احترام بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ کہ اس پر اصرار کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اس کے مخالف رائے بالکل غلط ہے، وہ سرے سے کوئی دین ہی نہیں، ایک نامناسب تحکم اور جبر ہوگا۔ جیسا کہ بارہا عرض کیا گیا ہے کہ یہ فہم اور بیانیہ قرآن وسنت کے بے لاگ مطالعے کے بجائے اصلا حالات کے جبر، خاص طور پر پوسٹ نائن الیون دور کے حالات کا نتیجہ ہے، لیکن اس کو اسلام کا بے غبار فہم سمجھنا کافی مشکل ہے۔

اس وقت جو کرنے کا کام ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو بے فائدہ ٹکراؤ کی مہم سے ہٹا کر پرامن جدوجہد کی راہ پر ڈالا جائے۔ تعلیم، فکر، تربیت وتزکیہ کے میدانوں میں وہ خاموشی سے تعمیری مہم پر لگ جائیں۔ ہمارے برصغیر کی تاریخ میں یہ بات ریکارڈ کا حصہ ہے کہ مختلف حالات کے تناظر میں جوابی بیانیہ کے بجائے جوابی اقدام کا ذہن پورے طور پر موجود رہا ہے۔

اصل ومتوارث دینی فکر کے ہوتے ہوئے نئے بیانئے کی ضرورت نہیں

علمائے بنگال میں سے مولانا کرامت علی جونپوری (1873 -1800) سید احمد شہید کے مرید اور جلیل القدر خلفا میں سے تھے۔ انھوں نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے فتوے (شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ) کو سختی سے رد کیا تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے فرائضی تحریک کو ان کے انقلابی سیاسی نظریات خصوصا انکے تصور دارالحرب کی بنا پر سخت تنقید کا نشانہ بنایا اور انھیں بنگال کے خوارج قرار دیا، اور ہندوستان کو دارالامان اور دارالاسلام قرار دیا۔ جہاد شاملی کے موقع پر علمائے دیوبند میں مولانا محمد تھانوی کا مؤقف اس شرکت کے حق میں نہ تھا کہ ہم اس طاقت کے مقابلے میں تیاری نہیں رکھتے۔ ان کے اس مؤقف کی تائید برصغیر کے نہایت جلیل القدر عالم دین مولانا احسن صدیقی نانوتوی رحم اللہ علیہ نے بھی کی، جس پر ان کی کافی مخالفت بھی ہوئی۔ یہ مواقف اس وقت اگرچہ جمہوری تائید حاصل نہ کر سکے، لیکن موجودہ حالات کی نزاکت میں ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، تاہم دینی تصورات کی ایسی آئیڈیالوجی جس سے امت چودہ سو سال میں آشنا نہ رہی ہو، قابل قبول نہیں ہوسکتی۔ جہاد کو جب اصول فقہ میں حسن لغیرہ کہا گیا ہے تو

عملی حالات کے تناظر میں اس کے حوالے سے اجتہادی زاویہ نظر اپنایا جا سکتا ہے۔ برصغیر میں تحریک خلافت جیسی پرشور تحریکوں کے زمانے میں مولانا الیاس رحم اللہ علیہ جیسے داعی نے امت کے اصل مرض کی پہچان کر کے پرامن طریقے سے محبت اور انسانیت کے احترام کی اساس پر دعوت کا کام شروع کیا، جس نے آج تک کئی انسانوں کی زندگیوں کو بدلا ہے۔ یہ دعوت بنیادی طور پر ٹکراؤ کی مہم کے بجائے اللہ کے بندوں کو اللہ سے جوڑنے کی اساس پر استوار ہوئی ہے، لیکن اس کے اکابر نے کبھی یہ نہیں کہا کہ مسلم روایت کا فہم اسلام غلط ہے اور اسکے مقابلے میں نئی آئیڈیالوجی پیش کی جائے۔ اصل متوارث دینی فکر کو باقی رکھ کر بھی ہم پرامن اور محبتیں پھیلانے والے ہو سکتے ہیں۔ خوارج نے پرتشدد بیانیہ براہ راست قرآن سے کشید کیا تھا۔ اس کی اساس مدرسوں میں پڑھائی جانے والی فقہ نہیں تھی۔

خوشخبری

ارباب مدارس، شائقین کتاب اور اہل علم کیلئے ایک اعلیٰ علمی و اصلاحی شاہکار

مؤتمر المصنفین جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی زیر نگرانی

محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ کے ارشادات وافادات، خطبات ومواعظ کا گلدستہ

دعوات حق

۴ ضخیم جلدوں میں منظر عام پر

قیمت: ۸۰۰ روپے

ضبط وترتیب

شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

اضافہ شدہ ایڈیشن اضافہ جدید ترتیب جدید طباعت اور اعلیٰ کمپوزنگ کے ساتھ

.........امتیازی خصوصیات.........

☆ نئی ترتیب وتدوین
☆ جامع، مختصر اور پرمغز عنوانات
☆ اصل نسخے کے ساتھ موازنہ وتصحیح
☆ کتاب میں موجودہ آیات واحادیث کے مستند حوالے وتخریج
☆ سفید معیاری کاغذ اور مضبوط جلد بندی
☆ معیاری وخوبصورت کتابت وکمپوزنگ بہترین سٹنگ

اعلیٰ طباعت کے ساتھ موتمر المصنفین جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے بارعایت دستیاب ہے

برائے رابطہ: 0333 8000098 (مولانا فہد حقانی)

جواد علی شاہ حقانی*

امام طحاویؒ کی شرح مشکل الاثار

ایک تعارف

مصنف کا تعارف:

الامام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ بن سلمۃ بن عبد الملک الازدی الحجری المصری الطحاوی ۔الازدیہ: عرب کے قبائل میں سے ایک بڑا اور مشہور قبیلہ ہے ،یہ الازد بن الغوث بن نبت بن مالک بن زید بن کہلان کی طرف منسوب ہے ،الحجری: یہ ازد کی ایک شاخ ہے، اور حجر بن جزیلۃ بن لخم کی طرف منسوب ہے ،اور الطحاوی: طحا قریہ کی طرف منسوب ہے۔امام طحاویؒ والد کی طرف سے قحطانی اور والدہ کی طرف سے عدنانی ہیں ،آپؒ کی والدہ ماجدہ اصحاب شوافع میں سے امام مزنیؒ کی بہن تھیں،اور قبیلہ مزینہ سے تعلق رکھتی تھیں۔

آپؒ 239ھ میں پیدا ہوئے،یہ جمہور کا قول ہے اور صحیح ہے ،البتہ ابن خلکان نے ''وفیات الاعیان'' میں 238ھ ذکر کیا ہے ،اور اس کے بعد سمعانی سے نقل کیا ہے کہ امام طحاویؒ کی پیدائش 229ھ کو ہوئی ،اور پھر اس روایت اخیرہ کو صحیح قرار دیا ہے،لیکن یہ تحریف ہے ،جس کو بعد میں آنے والوں نے نقل کیا ہے اور سمعانی کی کتاب کی طرف رجوع نہیں کیا ہے ،بہر حال درست قول 239ھ ہی ہے۔

امام طحاویؒ کا زمانہ تدوین حدیث اور سنت مطہرہ کی خدمت کا زرخیز زمانہ تھا،جس میں بڑے بڑے کبار محدثین پیدا ہوئے ،اور علم حدیث کو مختلف بلاد اسلامیہ میں پھیلا دیا،چنانچہ جب امیر المؤمنین امام بخاریؒ اس دنیا سے رحلت کر گئے،تو آپؒ کی عمر 17 سال تھی اور جب امام مسلمؒ نیشاپوری اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو آپؒ کی عمر 22 سال تھی ،اور جب امام ابوداؤد سجستانی وفات پا گئے تو آپؒ کی عمر 36 سال تھی اور جب ابوعیسی الترمذیؒ انتقال کر گئے تو آپؒ کی عمر 40 سال تھی اور جب احمد بن شعیب النسائیؒ فوت ہو گئے تو آپؒ کی عمر 64 سال تھی اور جب محمد بن یزید بن ماجہؒ دار ابدی کی طرف چل بسے تو آپؒ کی عمر 34 سال تھی

---

* معہد امام ابوحنیفہؒ دو بیان (صوابی)

امام طحاویؒ کا گھرانہ علمی گھرانہ تھا، آپؒ کے والد محترم بڑے صاحب علم وبصیرت والے تھے، اور آپؒ کے ماموں امام مزنیؒ اصحاب شوافع میں سے بڑے فقیہ تھے۔ آپؒ نے حفظ کی تکمیل اُبوزکریا یحیٰ بن محمد عمروسی سے کی، اس کے بعد فقہ اور احادیث اپنے ماموں امام مزنیؒ سے حاصل کیا۔

مذہب حنفی کی طرف تحول:

امام طحاویؒ جب بیس سال کو پہنچے تو مذہب شافعی کو چھوڑ کر مذہب حنفی کو اختیار کیا، علماء نے اس تحول کے کئی وجوہات لکھی ہیں، جن میں چند درج ذیل ہیں:

(۱) امام طحاویؒ نے اپنے ماموں (امام مزنیؒ) کو کئی دفعہ دیکھا تھا کہ وہ امام ابوحنیفہؒ کی کتابیں دیکھتے تھے، جیسا کہ علامہ خلیلی نے "الارشاد" میں لکھا ہے: سمعت عبد الله بن محمدالحافظ سمعت محمد بن حمدالشروطی یقول : قلت للطحاوی لم خالفت مذهب خالك واخترت مذهب أبی حنيفة؟ فقال :لأنی کنت أری خالی تدیم النظر فی کتب أبی حنيفة، فلذلك انتقلت الیه۔

(۲) دوسری وجہ دونوں مذاہب میں مختلف فیھا مسائل میں لکھی گئی تصانیف ہیں؛ مثلاً امام مزنیؒ نے "المختصر" کتاب لکھی جس میں انہوں نے امام اُبوحنیفہؒ پر رَد کیا، اس کے مقابلے میں قاضی بکار بن قتیبہ نے کتاب لکھ کر امام اُبوحنیفہؒ کا دفاع کیا۔

(۳) مصر میں قضاء کے عہدے کے لئے جو شیوخ آتے تو اپنی نسبت امام اُبوحنیفہؒ کی طرف کرتے، جیسے قاضی بکار بن قتیبہ، ابن أبی عمران، اُبوحازم وغیرہ۔

ابن عساکر نے "تاریخ مدینۃ دمشق" میں امام طحاویؒ کا قول نقل کیا ہے:

أول من کتبت عنه المزنیؒ و أخذت بقو ل الشافعی، فلما کان بعد سنین، قدم أحمدبن أبی عمران قاضیاعلی مصر، فصحبته وأخذت بقوله، وکان یتفقه للکوفیین، وترکت قولی الأول، فرأیت فی المنام، وهو (المزنی) یقول لی : یاأباجعفراغتصبك، یا أبا جعفر اغتصبك

(یعنی اول فقہ وحدیث میں نے اپنے ماموں امام مزنیؒ سے حاصل کرکے امام شافعیؒ کا قول اختیار کیا، لیکن جب قاضی اُحمد بن أبی عمران آئے، تو میں اس کی مجلس میں بیٹھ گیا اور اس کا قول اختیار کیا، اور قول اول ترک کردیا، اس کے بعد مجھے اپنا ماموں (امام مزنیؒ) خواب میں آئے اور کہنے لگے: اے اُبوجعفر! اس نے تجھے غصب کردیا، اس نے تجھے غصب کردیا۔)

بہر حال تحول کے یہ سارے اسباب امام طحاویؒ کی استعدادی فطری تھے، جس نے امام طحاویؒ کو دونوں مذاہب کی گہرائی تک لے جاکر مرتبہ اجتہاد تک پہنچادیا، اور دونوں مذاہب کے موازنہ کے بعد مذہب

حنفی کو اختیار کیا۔

علماء کے ہاں امام طحاویؒ کا مقام:

قال ابن الندیم فی "الفھرس" : وکان أوحد زمانه علمًا وزهدًا۔(امام طحاویؒ اپنے زمانے میں علم و زہد کے اعتبار سے منفرد تھے)

قال ابن عبد البر : كان من أعلم الناس بسير الكوفيين وأخبارهم وفقههم .(کوفیین کے سیر اور ان کے اخبار و فقہ کے زیادہ جاننے والے تھے)

قال ابن الأثير فی "اللباب": كان اماما ،فقيهامن الحنفيين ،وكان ثقة ثبتا۔(احناف کے امام اور فقیہ تھے اور ثقہ تھے)

قال الامام الذهبی فی "السیر": الامام العلامة ،الحافظ الكبير ،محدث الديار المصرية، فقيها......

ثم قال :ومن نظرفی تواليف هذاالامام علم محله من العلم ،وسعة معارفه ۔(جو بھی امام طحاویؒ کی تالیفات دیکھے گا ،تو اس شخصیت کا علم اور وسعتِ معرفت جان لے گا)

قال البدر العينی فی "نخبة الأفكار": أما الطحاوی ،فانه مجمع عليه فی ثقته وديانته وأمانته ،وفضيلته التامة ،ويده الطولى فی الحديث وعلله وناسخه ومنسوخه،...... ولقد أثنى عليه السلف والخلف ہرچہ امام طحاوی ہیں ،تو اس کی ثقہ ہونے ،اس کی دیانت و امانت ،کامل فضیلت اور حدیث کے علل اور اس کے ناسخ و منسوخ میں مہارت پر لوگوں کا اتفاق ہے ،اور تمام سلف و خلف نے ان کی تعریف کی ہے)

انکے علاوہ بیسیوں علماء نے آپ کی علمیت کا اعتراف کیا ہے ،البتہ بعض علماء (امام بیہقی ،شیخ الاسلام ابن تیمیہ وغیرہ) نے امام طحاویؒ پر بعض مسائل کی بناء پر جرح کیا ہے ،جن سے علماء نے جوابات کئے ہیں۔

کتاب کے متعلق:

امام طحاویؒ کی یہ کتاب ''شرح مشکل الاثار'' نام سے طبع ہوتی ہے لیکن اس کا اصل نام ''بیان مشکل الاثار'' ہے جیسا کہ شیخ حاتم شریف نے اس کی تصریح کی ہے ،یہ کتاب ان عظیم کتابوں میں شمار ہوتی ہے جو سنت مطہرہ کی دفاع ،اور ملاحدہ کے ان اعتراضات کے رَد میں لکھی گئی ہیں ،جو انہوں نے سنت نبوی پر کئے ہیں ۔اس کتاب میں امام طحاویؒ نے ان احادیث مشکلہ کی شرح کی ہے ،جن میں بظاہر التباس اور خفا ہو ،اور یہ اشکال یا تو بظاہر حدیث آخر کے تضاد کی وجہ سے ہوتا ہے یا حقیقت اور نفس الامر میں دکھائی دیتا ہے ،اور کبھی کبھار یہ اشکال اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ حدیث قرآن ،لغت اور عقل یا حس کے خلاف

آجاتی ہے ،تو امام طحاویؒ نے یہ اشکال یا تو توفیق بین الحدیثین کی بنیاد پر رفع کیا ہے،یا قرائن کی بنیاد پر ایک کو ناسخ مان کر دوسری کو منسوخ قرار دیا (اس کی مزید تفصیل شیخ محمد عوامہ مدظلہ نے ''اثر الحدیث الشریف میں کی ہے)یا اس اشکال کی تشریح ایسے معنی کے ذریعے کی ہے،جو قرآن ،لغت یا عقل کے موافق ہو،یا اُس حدیث کوضعیف قرار دیتے ہیں جو موجب اشکال ہو وغیرہ۔

امام طحاویؒ نے اس کتاب میں تقریباً 1002 ابواب قائم کئے ہیں اور جمیع نصوص جو اس کتاب میں لائی ہیں وہ تقریباً 5408 ہیں، ہر باب کے نیچے ایک عنوان قائم کرکے اس کے تحت احادیث لائی ہیں، ان کے مسانید اور طرق سے بحث کی ہے،اس کے بعد موضع اختلاف پر کلام کرکے اس کی شرح اور تفصیل ایسی کی ہے کہ دونوں احادیث سے تعارض ختم ہوجاتا ہے ،اور متعارض احادیث ہم معنی بن جاتی ہیں ،سند میں اتصال و عدم اتصال بیان کرتے ہیں ،روایات میں عدم سماع کی علت بیان کرکے آگے پھر اس پر صحت وضعف کا حکم لگاتے ہیں ،اور اس صحت وضعف کو امام طحاویؒ مختلف عبارات سے تعبیر کرتے ہیں ،مثلاً: هذا الحديث صحيح الاسناد لا طعن لاحد في أحد من رواته،هذا حديث صحيح الاسناد، مستقيم الاسناد ،هذا الحديث عندنا فاسد الاسناد ، غير أن أهل الاسناد يضعفون هذا الاسناد وغیرہ۔

اسی طرح کبھی کبھار قیاس پر اعتماد کرتے ہیں ،لیکن یہ اس صورت میں کہ جب احادیث میں نص کی وجہ سے کسی ایک جانب ترجیح ممکن نہ ہو،ان ساری باتوں کے باوجود امام طحاویؒ نے اس کتاب میں کسی ایک نوع کی احادیث کا لحاظ نہیں رکھا ہے، بلکہ جو احادیث امام طحاویؒ کو خفیۃ المعنی سامنے آئی ہیں ،ان کو ذکر کی ہیں ، چاہے وہ عقیدہ کے متعلق ہوں ،یا تفسیر ،فقہ اور فضائل کے ہوں۔ بخلاف ''شرح معانی الاثار'' کے، کہ اس کو امام طحاویؒ نے ایک محکم ترتیب سے مرتب کی ہے۔ اسی طرح امام طحاویؒ نے اس کتاب میں کسی خاص مذہب کا التزام نہیں کیا ہے، بلکہ قواعد کی رو سے وہ استنباطات کیے ہیں ،جن کی طرف ان کا اجتہاد گیا ہے۔

امام طحاویؒ کی دیگر تصانیف:

(۱)	شرح معانی الاثار	(۲)	اختلاف الفقهاء
(۳)	مختصر الطحاوي في الفقه الحنفي	(۴)	سنن الشافعي
(۵)	العقيدة الطحاوية	(۶)	نقض كتاب المدلسين
(۷)	التسوية بين حدثنا وأخبرنا	(۸)	الشروط الصغير
(۹)	الشروط الأوسط	(۱۰)	الشروط الكبير
(۱۱)	التاريخ الكبير	(۱۲)	أحكام القرآن

(۱۳) النوادر الفقهية (۱۴) النوادر والحكايات

(۱۵) جزء فی حكم أرض مكة (۱۶) جزء فی قسم الفیء والغنائم

(۱۷) الرد علی عیسی بن أبان فی كتابه الذی سماه "خطا الكتب"

(۱۸) الرد علی أبی عبید فیما أخطا فیه فی كتاب النسب

(۱۹) اختلاف الروایات علی مذهب الكوفیین

(۲۰) شرح "الجامع الكبیر" للامام محمد بن الحسن الشیبانی

(۲۱) كتاب المحاضرات والسجلات (۲۲) كتاب الوصایا والفرائض

(۲۳) أخبار أبی حنیفة وأصحابه

(۲۴) كتاب فی النَحل وأحكامها و صفاتها وأجناسها وما روی فیها من خبر

(۲۵) جزء الرزیة (۲۶) كتاب الأشربة (۲۷) الخطابات فی الفروع

امام طحاویؒ سے قبل اس نوع میں تالیفات:

اول اس نوع میں جس نے کتاب لکھی ،وہ امام شافعیؒ ہیں ،جنہوں نے ''اختلاف الحدیث'' نام سے کتاب لکھی،لیکن اس میں پورا استیعاب نہیں کیا بلکہ جملۃ کچھ احادیث فقہ عملی کے ذکر کی ہیں ،یہ کتاب کتاب الأم کی ساتویں جلد کے حاشیہ پر چھپی ہے،اوراس کے بعد علیحدہ بھی چھپی ہے۔

دوسری کتاب أبومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبۃ نے لکھی ہے،جس کا نام تاویل مختلف الحدیث ہے ،اس کی زیادہ تر احادیث عقیدہ اور اس کے فروع کے بارے میں ہیں،لیکن ان دونوں کتابوں کی بنسبت امام طحاویؒ کی کتاب استیعاب اورشمول کے اعتبار سے ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے ،اسی طرح ازالہ تعارض ،متن اور سند حدیث پر نقد کی مہارت اور حدیث کے طرق والفاظ میں تفنن میں دوسری کتابوں سے الگ ہے۔اس کے علاوہ دوسرے علماء نے بھی اس نوع میں کتابیں لکھی ہیں:

(۱) مشكل الحديث و بيانه،لابن فورك :أبی بكر ،محمد بن الحسن

(۲) التحقيق فی اختلاف الحديث ،لابن الجوزی،أبی الفرج ،عبد الرحمن ب علی بن محمد البغدادی

(۳) المعتصر من المختصر من مشكل الاثار ،للملطی: أبی المحاسن ،یوسف بن موسی

(۴) تاويل الاحاديث المُوهمةللتشبيه،للسيوطی:جلال الدين عبد الرحمن بن أبی بكر

(۵) رفع التعارض عن مختلف الحديث ،لحسن مظفر الرزو

(۶) مختلف الحديث بين الفقهاء و المحدثين ،لنافذ حسين حماد

(۷) مختلف الحديث و موقف النقاد و المحدثين منه،لاسامة عبد الله خياط

''شرح مشکل الاثار'' سے متعلق علماء کی خدمات:

اس کتاب کی مزید اہمیت اس سے بھی واضح ہوجاتی ہے کہ بڑے بڑے کبار علماء نے اس پر تحقیقات اوراس کے اختصارات کئے ہیں ،جن میں چند درج ذیل ہیں:

- محمد بن رشد القرطبی، المالکی کی تصنیف "مختصر مشكل الآثار" اس کو ایک خاص ترتیب پر مرتب کی ہے ،اس طور پر کہ احادیث کی اسانید اور تکرار کو ختم کیا ہے ،اور ساتھ ساتھ الفاظ میں اس طرح اختصار کیا ہے کہ نفس مضمون اور فقہ میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا ہے۔
- المطہر بن الحسین بن سعد بن علی البزدی، الحنفی کی تصنیف: تلخيص مشكل الآثار
- علی بن حسام الدین الھندی الشہیر بالمتقی کی تصنیف: مجمع بحار الأنوار فی شرح مشكل الآثار
- الملطی: القاضی جمال الدین بن یوسف بن موسی بن محمد الفقیہ الحنفی کی تصنیف: المعتصر من المختصر من مشكل الآثار
- خالد محمود الرباط کی تصنیف: "تحفة الأخبار بترتيب مشكل الآثار" اس کتاب میں مصنف نے ''شرح مشکل الاثار'' کے ابواب کو ایک خاص ترتیب دی ہے ،اور یہ اس لئے کہ امام طحاویؒ نے ابواب مرتب تو کئے ہیں لیکن ابواب (ابواب الطہارة ،ابواب الصلاة وغیرہ) الگ جمع نہیں کئے ہیں۔

طبعات:

یہ کتاب 1915ء میں مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ حیدر آباد دکن سے چار جلدوں میں چھپی تھی ،اور اس کے بعد 1995ء میں مؤسسۃ الرسالۃ بیروت سے شعیب الارنؤوط کی تحقیق سے 15 جلدوں میں چھپی ہے۔

ابوالعباس خاں، انڈیا

مفتی اعظم کا فتویٰ اور اُمرائے سلطنت کی نیلامی

(اسلام کے نظام عدل کی ایک جھلک)

منڈیاں تو بہت سی لگتی ہیں، سبزی منڈی، غلہ منڈی، جانور منڈی وغیرہ وغیرہ، لیکن تاریخ اسلام میں ایک منڈی ایسی بھی لگی ہے جس میں حکومت وقت کے امراء اور حکام نیلام ہوئے، ان کی بولی لگائی گئی اور غلاموں کی طرح انھیں فروخت کیا گیا۔

جی ہاں! یہ واقعہ ہے چھٹی صدی ہجری کا، مصر میں غلاموں کی کثرت تھی، ان کی منڈیاں لگتیں، کچھ خریدے و بیچے جاتے، کچھ جہاد میں حاصل کیے جاتے، عرب کے بھی تھے، عجم کے بھی تھے، اور کچھ غلام ترک بھی تھے؛ نہایت زیرک، ماہر سیاست، حالات کے نبض شناس! رفتہ رفتہ وہ باحیثیت ہوئے، اصحاب مال وثروت ہوئے، حکومت میں شریک ہوئے، اور عہدوں پر پہنچ کر داد عیش دینے لگے، اور مسلم معاشرہ ان کی غلامی سے غافل، ان کے ماضی سے بے بہرہ، ان کی تابعداری کا طوق گلے میں ڈالے اپنی زندگی میں مصروف رہا!

لیکن! ایک ذات ایسی بھی تھی جو نگاہ ہوش مند وفکر ارجمند کی مالک تھی، جو علوم اسلامیہ کی امین اور احکام شرعیہ کی پاسدار تھی، جس کے ماتھے پر ستارۂ اسلام و پاسدارئ احکام ہُویدا تھا، جرأت ایمانی سے لبریز، غیرت دینی سے معمور مسلمانوں کی سربلندی کے لیے سربکف تھا، نہ احکام شریعت میں ایک لفظ کی تبدیلی گوارا تھی، نہ ایک لمحہ کی تاخیر روا تھی! بے شک یہ ذات تھی عزالدین بن عبدالسلامؒ کی، جنھیں ہماری تاریخ ''شیخ الاسلام'' کہتی ہے۔

شیخ نے فتویٰ صادر کیا: ''یہ امراء کل تک غلام تھے، شرعی طریقہ پر یہ آزاد نہیں ہوئے، یہ ابھی بھی غلام ہیں، اس لیے ان کے سارے معاملات غیر شرعی ہیں۔''

شیخ کا فتویٰ ایک برق بے اماں تھا، امراء وحکام کے خیموں میں اک آگ سی لگ گئی، سب جل بھن اٹھے، مگر شیخ کے بلند مقام وبلند حیثیت کے سامنے چپ رہے، کسی میں چوں چرا کی ہمت نہ تھی،

لیکن شیخ کا فتویٰ کیسے چپ رہتا، قریہ، محلہ، قصبہ، شہر اور پھر پورے ملک میں فتوی کی گونج صاف سنائی دینے لگی، اور لوگوں نے ان سبھی امراء وحکام سے معاملات منقطع کر لیے، ان کی دقتیں بڑھنے لگیں، حاکم ہو کر بھی وہ اجنبی سے ہو گئے۔

امراء وحکام کی تشویش بڑھتی گئی، ہفوات کا سلسلہ شروع ہوا، شیخ کون ہوتے ہیں دخل دینے والے، حکومت کے معاملات سے شیخ کا کیا تعلق؟ تبصروں پر تبصرے شروع ہوئے، بادشاہ کو بھی علم ہوا، حالات پیچیدہ ہونے لگے، آخر کار خصوصی مجلس بلائی گئی، شیخ بھی حاضر ہوئے، بحثیں شروع ہوئیں، کسی نے رعب دکھایا، کسی نے دھونس جمایا، بادشاہ نے پہلے لجاجت پھر اکڑ اور پھر اپنی بادشاہت کا غرہ دکھایا، لیکن شیخ نے برملا کہہ دیا کہ" اسلام کا حکم سب پر یکساں طور پر نافذ ہے، یہ سب غلام ہیں، پہلے انھیں نیلام کیا جائے، اور پھر شرعی طریقہ پر آزادی کا پروانہ دیا جائے۔" بس پھر کیا تھا، حکام چیخ اٹھے کہ یہ شیخ ہمیں ذلیل کرنا چاہتے ہیں، ہم اس ملک کے حاکم ہیں، فیصلے ہم کرتے ہیں، غلام ہم بناتے ہیں، سکہ ہمارا ہی چلتا ہے، ان کی یہ ہمت کہ ہمیں سر بازار نیلام کریں؟!

امراء کی ترش گوئی، حکام کی بدسلوکی اور بادشاہ کی سخت کلامی وہٹ دھرمی، شیخ کی شان بے نیازی میں ایک عظیم گستاخی تھی، جس سرزمین پر شرعی حکم نافذ نہ ہو، جس مملکت میں اسلامی قانون کی پاسداری نہ ہو، ایسی ریاست میں سانس بھی لینا بھی روا نہیں، شیخ کی غیرت نے مصر میں رکنا گوارا نہ کیا، سامان کو جانور پر لادا، گھر والوں کو سوار کیا، اور مصر کو الوداع کہتے ہوئے نکل پڑے۔

امراء وحکام کو خبر ہوئی، خوشی کی لہر دوڑ گئی، آزمائش سے نجات ملی، اب راحت ہی راحت ہے، شیخ کے جانے سے جان میں جان آ گئی، لیکن یہاں تو منظر ہی کچھ اور تھا، شیخ کا قافلہ رواں ہوا، اور پھر قافلہ پر قافلہ، ایک کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا اور پھر ...... ایک سلسلہ چل پڑا، علماء وصلحاء بھی، تجار وکاشتکار بھی، کسان ومزدور بھی، غرض کیا خواص کیا عوام، سب کے سب شیخ ہی کی سمت میں رواں، نہ کسی کو مصر عزیز ہے، نہ مصر کی ہریالی وخوشحالی محبوب ہے، شیخ کے مقابلہ دنیا کی متاع بے بہا بھی خس وخاشاک سے کچھ اور نہیں۔

بادشاہ کو اطلاع ہوئی، حالات کی سنگینی کا علم ہوا، سرکاری نمائندوں نے عرض کیا، بادشاہ سلامت! اگر شیخ چلے گئے تو شہر ویران ہو جائے گا، یہاں پر خاک اڑنے لگے گی، پھر آپ کس کے بادشاہ؟ اور کیسی آپ کی رعایا؟ بادشاہ کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی، گھوڑے پر سوار ہوا اور خود شیخ

کی خدمت میں حاضر ہوا، منت وسماجت کی، لجاجت کی، ہر شرط منظور کی اور شیخ کو واپس شہر میں لے آیا، اور طے ہوا کہ امراء وسلاطین کو نیلام کیا جائے گا۔

نیلام ہونے والوں میں نائب السلطنت بھی تھا، وہ غصہ میں بپھر اٹھا، ننگی تلوار اٹھائی، سپاہیوں کو ساتھ لیا اور شیخ کے دروازہ پر حاضر ہوا، دروازہ کھٹکھٹایا، صاحبزادہ باہر نکلے، منظر دیکھ کر گھبرا اٹھے، جا کر عرض کیا کہ ابا حضور! آپ کی جان کو خطرہ ہے۔ شیخ نے بے پرواہی سے جواب دیا: بیٹا! تمہارے والد کا ایسا مقدر کہاں کہ اسے شہادت نصیب ہو۔ اور گھر سے باہر تشریف لے آئے۔

نائب السلطنت غصہ میں لال پیلا ہو رہا تھا، سانسیں تیز سے تیز تر ہو رہی تھیں، آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے، شمشیر برہنہ شیخ کی منتظر تھی، لیکن! شیخ کو دیکھتے ہی تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی، جسم پر رعشہ طاری ہو گیا، ساری جمع قوت پل بھر میں کافور ہو گئی، دھڑام سے شیخ کے قدموں میں آ گرا، میرے آقا آپ کیا چاہتے ہیں؟ شیخ نے کہا کہ میں تجھے نیلام کروں گا، اور تجھے فروخت کروں گا۔

اگلے دن عام منادی کی گئی، بازار کھچا کھچ بھر گیا، تاریخ کا یہ عجیب وغریب منظر تھا، بازار میں اب تک غلام بکتے تھے لیکن آج غلاموں کی جگہ امراء و حکام تھے، غلام بنانے والے خود غلام تھے، ایک ایک کو حاضر کیا گیا، ہر ایک پر بولی بولی گئی، البتہ ان کے اعزاز میں ان کے دام بھی بہت لگائے گئے، بڑی بڑی بولی میں انھیں فروخت کیا گیا، جو قیمت حاصل ہوئی اسے رفاہ عام میں خرچ کیا گیا، پھر وہ غلام آزاد ہوئے، اور اپنے عہدوں پر فائز ہوئے۔

یہ واقعہ تاریخ اسلامی کا ایک زریں باب ہے، اسلام کی حقانیت کی دلیل اور اس کی سربلندی کی ایک مثال ہے، بلاشبہ ایسی مثالیں آج بھی قائم ہو سکتی ہیں، مغرور حکومتیں جھک سکتی ہیں، اسلامی احکام نافذ ہو سکتے ہیں، بگڑتے حالات سنور سکتے ہیں، لیکن پہلے ضرورت ہے جذبۂ ایمانی کی، غیرت اسلامی کی، اور خدا کے سامنے خود سپردگی کی، کیونکہ من كان لله كان الله له (جو اللہ کا ہوا، اللہ اس کا ہو گیا)۔

جنرل مرزا اسلم بیگ•

افغان طالبان اور روس کا ممکنہ معاہدہ؟

ایک اردو اخبار کی مندرجہ ذیل خبر آپ کے پیش نظر ہے جس کی افادیت 14 اپریل 2017 کو ماسکو میں ہونے والی بارہ ملکی کانفرنس میں ثابت ہوگی اور ہمارا موقف درست ثابت ہوگا کہ طالبان ہی وہ واحد قوت ہیں جو افغانستان میں امن کی ضمانت دے سکتے ہیں۔

افغان طالبان اور روس کے درمیان باہمی تعاون کا معاہدہ طے پا گیا ہے۔ جبکہ اس دس نکاتی معاہدے پر دستخط کے انکشاف کے بعد کابل حکومت اور اس کے سرپرستوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اس معاہدے کی تیاری اور بات چیت میں شامل رہنے والے طالبان کے ایک رہنما نے ہمارے ذرائع کو بتایا کہ ملا منصور کو نشانہ بنانے کی ایک بڑی وجہ افغان طالبان اور روس کے درمیان باہمی تعاون کے معاہدے پر جاری بات چیت تھی۔ روس عالمی سیاست میں متحرک ہونے کے ساتھ ساتھ افغان طالبان کو تسلیم کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس حوالے سے ایران نے بھرپور مدد کی۔ ستمبر 2015 میں ایران کی سمندری حدود میں ہی پیوٹن اور ملا اختر منصور کی ملاقات کرائی گئی تھی۔ ان ذرائع کے مطابق ملا اختر منصور کو پوری دنیا میں سفر کرنے کی اجازت امریکہ کی جانب سے دی گئی تھی تاہم امریکا نے انہیں نشانہ بنا کر اپنے وعدے کی خلاف ورزی کی جس پر افغان طالبان مذاکرات سے علیحدہ ہو گئے۔ ملا اختر منصور کی شہادت کے بعد امریکہ کا خیال تھا کہ اس معاہدے پر بات چیت ختم ہو جائیگی۔ تاہم اب معاہدے پر دستخط ہو گئے ہیں۔ طالبان کے ایک اہم رہنما جو افغان جہاد میں روسی قیدیوں پر مامور تھے اور جنہیں روسی زبان پر عبور حاصل ہے انہوں نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ دس نکاتی معاہدے کے مطابق:

اول روس افغان طالبان کو تسلیم کر لے گا۔ دوم، مذاکرات کے بعد افغان طالبان کی حکومت بننے کی صورت میں روس کی جانب سے فوجی اور مالی امداد دی جائے گی۔ سوم، افغان طالبان وسطی ایشیا اور روس میں افیون اور ہیروئن روکنے کے ساتھ ساتھ چیچن ایغور اور حزب التحریر کے جنگجوؤں کو افغانستان میں

• سابق چیف آف آرمی سٹاف پاکستان Email: friendscolumn@hotmail.com

ٹریننگ کی اجازت نہیں دیں گے بلکہ ان کے خلاف کاروائی کریں گے۔ چہارم، روس کو مطلوب افراد گرفتار کر کے ماسکو کے حوالے کئے جائیں گے۔ پنجم، روس افغان طالبان کے رہنماؤں کے نام بلیک لسٹ سے نکالنے کی مخالفت نہیں کرے گا اور نہ ہی چین مخالفت کرے گا بلکہ چین اور روس فرانس اور برطانیہ کو بھی اس سلسلے میں آمادہ کریں گے۔ ششم، افغان طالبان کے موجودہ امیر کو مکمل سکیورٹی آلات فراہم کئے جائیں گے۔ ہفتم، افغان طالبان روسی فرم گیسز پرم کی مرکزی پائپ لائن جو ون بیلٹ ون روڈ کا حصہ ہوگی کو قندھار کے راستے بھارت بنگلہ دیش چین پاکستان تک نہ صرف رسائی دیں گے بلکہ اس کی سکیورٹی کے بھی ذمہ دار ہوں گے۔ روس اس کے بدلے طالبان کو مالی امداد فراہم کرے گا۔ ہشتم، وسطی ایشیائی ریاستوں میں جہادی تحریکیوں کو افغان طالبان کوئی مدد فراہم نہیں کریں گے۔ نہم افغان طالبان افغانستان میں امریکی انخلا کے بعد ایران کے خلاف بھی کاروائی نہیں کریں گے۔ دہم، اس معاہدے کا سب سے اہم نکتہ ہے کہ داعش کے خلاف افغان طالبان روس چین اور پاکستان کے اتحاد کا حصہ بنیں گے اور اس میں طالبان کا اہم کردار ہوگا۔ افغان طالبان نہ صرف اس حوالے سے مدد فراہم کریں گے بلکہ وہ خفیہ آپریشنز کیلئے تمام سہولیات بھی فراہم کریں گے۔ جبکہ ان افراد کی فہرستیں بھی فراہم کریں گے جو طالبان سے تعلق نہیں رکھتے۔ افغان طالبان کے ذرائع کا کہنا ہے کہ روس بہت پہلے سے اس طرح کے معاہدے کیلئے کوشاں تھا۔ تاہم امریکی سازشوں کے سبب کامیابی نہ مل سکی۔ ذرائع کے بقول اب روس چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے اس معاہدے پر عملدرآمد کیا جائے۔

اس حوالے سے چودہ اپریل کو ہونے والی کانفرنس کے بعد مزید پیش رفت کا امکان ہے۔ اور یہ کہ روس افغان طالبان کے ساتھ سفارتی معاہدہ بھی کر سکتا ہے۔ افغان طالبان کو سفارتی حیثیت دینے پر روس نے اپنے اتحادیوں سے صلاح مشورے شروع کر دیے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں ذرائع کا کہنا تھا کہ اس معاہدے کے حوالے سے متحدہ عرب امارات میں بھی مذاکرات ہوئے اور ایران میں بھی اس پر بات چیت جاری رہی۔ ان مذاکرات میں ہزارہ برادری سے تعلق رکھنے والے افغان طالبان کے ایک اہم کمانڈر اور ہرات میں افغان طالبان کی شوریٰ کے دو ارکان بھی شامل رہے ہیں۔ ذرائع کے مطابق شمالی اور مغربی افغانستان سے ایسے افراد جن کے ایران کے ساتھ اچھے تعلقات رہے ہیں ان کے ذریعے یہ مذاکرات کامیاب ہوئے۔ ذرائع کے مطابق امریکہ اور کابل حکومت میں اس بات پر تشویش پائی جاتی ہے کہ اگر خطے کے ممالک نے افغان طالبان کو ایک فریق کے طور پر تسلیم کر کے سفارتی تعلقات قائم کر لئے تو اس سے افغان طالبان مزید مضبوط جبکہ اشرف غنی کی اتحادی حکومت مزید انتشار کا شکار ہو جائے گی۔

جناب شفیق الدین الصلاح
متخصص المنطق جامعہ حقانیہ

اردو زبان کا مقام ومرتبہ اور علماء ہند کا ذوق

خدا رکھے زبان ہم نے سنی ہے میر ومرزا کی
کہیں کس منہ سے ہم اے مصحفیؔ! اردو ہماری

اردو زبان ہماری شناخت اور ثقافت ہے، اس میں انتہائی وسعت اور گہرائی ہے، بے شمار جدید وقدیم علوم کے ذخیرے پر محیط ہے، اس میں وسیع افکار ونظریات موجود ہیں، یہ زبان اگر چہ اتنی قدیم نہیں لیکن علماء وصوفیاء کی خدمات نے اس کو چار چاند لگا دیے، آج کل تقریباً اپنی ہمہ جہتی کے بناء پر دنیا کی بین الاقوامی زبانوں کی صف میں کھڑی ہے، اسی زبان کے ذریعہ شعرائے عصر حاضر میں علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ کا تعارف ہوا اور انہیں عرب وعجم میں شہرت ملی، شیخ صاوی شعلان اور اعظمی نے اپنی کتابوں میں دنیا کے مشہور پانچ شعراء میں علامہ اقبال رحمہ اللہ کو شمار کیا ہے۔

اس زبان نے اسلامی علوم وفنون کی بڑی خدمت کی ہے یہی وجہ ہے کہ دینی علوم میں کسی بھی علم کو اردو کی خدمت سے خالی نہیں پاؤ گے، قرآن کی تفسیر ہو یا حدیث کی تشریح، اردو سرفہرست ہوگی، اس زبان میں فقہ، اصول فقہ، عقیدہ، کلام، بلاغت، منطق، فلسفہ، اور دیگر متداول علوم کی ترجمانی آپ کو ضرور ملے گی اور تقریباً ہندوپاک میں اسلامی تعلیمات کی اساس اس وقت زبان ہی نظر آئی گی۔

اردو کی اہمیت علماء دیوبند کی نظر میں

یہی وجہ ہے کہ علماء امت اور خصوصاً علماء دیوبند نے اس زبان کو ہر وقت سراہا، اس کی افادیت واہمیت پر ہمیشہ زور دیا، اس میں کمال پیدا کرنے کو بڑی خوبی قرار دیا، چنانچہ ایک جگہ تو مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اس کی حفاظت کو فرض کفایہ قرار دیا، ایک دفعہ حضرت کو اردو کانفرنس انڈیا میں شرکت کیلئے جب مدعو کیا گیا تو حضرت نے جواب میں یہ تحریر فرمایا۔

''اس خط کو پڑھ کر قلب میں ایک حرکت پیدا ہوئی کہ اس خدمت میں حصہ لیا جائے چونکہ

متعارف خدمتوں کی نہ تو صلاحیت نہ قوت اور غالباً ایک خاص خدمت کی طرف کسی نے توجہ بھی نہیں کی اور وہ یہ ہے کہ اس تحریک کا شرعی درجہ کیا ہے؟ اس کی ضرورت بھی اس لئے محسوس ہوئی کہ اس وقت اس کے مسئلہ نے تمدن وقومیت سے آگے بڑھ کر مذہبیت کی صورت اختیار کرلی ہے، اس لئے خیال ہوا کہ اس کے متعلق ایک مختصر تحریر منضبط کرکے بھیج دی جائے، چنانچہ تمہیدی مقدمات کے بعد حضرت لکھتے ہیں کہ اس کے بعد معلوم ہوگیا کہ اس وقت اردوزبان کی حفاظت دین کی حفاظت ہے، اس بناء پر یہ حفاظت حسبِ استطاعت، طاعت اورواجب ہوگی اورباجودقدرت کے اس میں غفلت اورسستی کرنا معصیت اورموجب مؤاخذہ آخرت ہوگا(امداد الفتاوی ج ٤ ص ٦٥٥) دوسری جگہ لکھتے ہیں پس ایسی زبان کی مذمت کرنا قواعد شرعیہ کے رو سے نہایت مستقبح اور مستنکر ہے۔"(امداد الفتاوی ج ٤ ص ٥٠٠)

اوراس کڑی کے ایک اورنامور عالم مولانا انورشاہ کشمیری رحمہ اللہ وصیت فرماتے ہیں:

"اگرچہ میں نے عربی ذوق کے دفاع کیلئے ہمیشہ اردوزبان سے احتراز کیا، لیکن اب مجھے افسوس ہے ہندوستان میں اب دین کی خدمت کیلئے اردو اور باہر کی دنیا میں انگریزی کو ذریعہ بنایا جائے، میں اس بارے میں آپ صاحبان کوخاص وصیت کرتا ہوں۔"(حیات انور ص ۴۲)

اوراپنے ایک شاگرد کے مقالہ کوجب عربی میں لکھا تو اس پر فرمایا:

کہ مولوی صاحب! اگرہندوستان میں اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہوتو اردو میں لکھئے اوراردو میں پڑھئے (نقش دوام ص ۲۶۹)

اورعلامہ مناظر احسن گیلانی کا ارشاد ہے:

"ہرزمانہ کا ایک ماحول ہوتا ہے، زبان ہوتی ہے، تعبیر کا طریقہ ہوتا ہے، جب تک ماحول کی ساری خصوصیتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان ہی اصطلاحات اور تعبیرات میں آپ اپنی معلومات پیش نہیں کریں گے جو اس عہد کا قالب ہوتا ہے تو آپ کی طرف نہ کوئی توجہ کرے گا اورنہ آپکی باتوں میں وزن پیدا ہوگا"(تحریر کیسے سیکھئے:۲۰)

ان سب کے علاوہ علمائے دیوبند کی اردوتصانیف بھی اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ یہ زبان بڑی اہمیت ووقعت رکھنے والی ہے، ان کتابوں سے وہی تمام باتوں کومطمح نظر رکھ کر وقت فارغ کیاجائے، اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس زبان کے بولنے اورپڑھنے میں عمدگی اورلیاقت پیدا کی جائے، اللہ تعالٰی کے دین کی خدمت اوراس کی رضاجوئی کوسامنے رکھ کریہ سیکھی اورسکھائی جائے۔

احسان الرحمٰن عثمانی

دارالعلوم حقانیہ اور ردِ قادیانیت
(موتمر المصنفین کی ایک نئی کاوش)

زیرنظر کتاب ام المدارس، دیوبند ثانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے تقریباً پون صدی پر مشتمل عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور ردقادیانیت کے حوالے سے کام کی نوعیت کا ایک انڈکس اور اشاریہ ہے، جسے جامعہ کے رئیس و مہتمم قائد جمعیت حضرت شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق مدظلہ کی ذاتی ڈائری اور ماہنامہ الحق کے منتشر صفحات سے یکجا کرکے ادارہ موتمر المصنفین کے زیراہتمام والفرام رفقاء جماعت نے منصۂ شہود پر لایا۔ اس علمی کاوش اور مہتم بالشان کام پر ادارہ صدبار ہدیہ تبریک کا مستحق ہے اللهم زد فزد.

یہ مساعی آج کے حالات کے حوالے سے نہ صرف قابل رشک ہیں بلکہ قابل تقلید ہیں کیونکہ موجودہ پُرفتن دور میں جہاں دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کو اُن کے مذہبی معتقدات اور تعلیمات سے بے گانہ رکھنے کی طرح طرح تدابیر اختیار کر چکے ہیں۔ وہاں ان کو عقیدہ اور نظریہ کی درستگی کا انتظام بھی ارباب علم ودانش کی اہم ذمہ داریوں میں سے ہے۔ اس لحاظ سے اس قسم کی سرگرمیاں حالات کا عین تقاضا ہے۔

برصغیر پاک وہند میں دیوبند ثانی کے نام سے موسوم عظیم علمی اوردینی درسگاہ ''جامعہ دارالعلوم حقانیہ'' اپنی خدمات جلیلہ کے باعث آج نہ صرف صوبہ خیبرپختونخوا بلکہ ملکی اور عالمی سطح پر کئی مدارس ومعاہد دینیہ اور ملی تحریکات کے ساتھ ساتھ مشاہیر اہل علم کے لیے ایک ماں کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس طرح دارالعلوم دیوبند ہند نے دین اسلام کے تمام شعبوں کو آباد کررکھا تھا ایسا ہی بانی جامعہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ کے گلشن حقانیہ نے بھی ملک وملت میں تمام ترشعبوں کی نہ صرف دیکھ بھال کی بلکہ اس کی آبیاری کرکے اسے تن آور درخت میں تبدیل کیا۔ آج وہی پودے اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ کی عملی تصویر پیش کررہا ہے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے دارالعلوم کی بنیاد ایک ایسے وقت میں رکھی کہ جہاں حالات کی ناموافق فضا، وسائل وافراد کی کمیابی کے اعتبار سے اگراس سرزمین کو وادی غیر ذی زرع سے تعبیر کی جائے تو بے جانہ ہوگا۔ مگر حضرت شیخ رحمہ اللہ کی شبانہ روز محنتوں، خلوص وللّٰہیت اور بارگاہ الٰہی میں تضرع والتجا نے اُس ادارے کو رفتہ رفتہ أفئدة للناس کا مصداق بنا کر لوگوں کے قلب ودماغ کو اس کی طرف پھیر دیا، چنانچہ دارالعلوم کے ماحول کو روز اول سے ایسی شخصیات نے رونق بخشی جو اپنے علم وفضل

اورللّٰہیت وتقویٰ کے لحاظ سے اساطین معرفت کہلائے جاتے تھے۔ اوروہی بات جودارالعلوم دیو بند کے بارے میں کہی گئی تھی کہ شیخ الحدیث سے لے کر چوکیدار تک سب صاحب نسبت ہوا کرتے تھے۔تقریباًوہی کیفیت حضرت شیخ رحمہ اللہ کے گلشن میں اساتذہ کرام کے گلدستہ اورانتظامیہ کی رہی۔

2013ء میں حضرت والدمکرم مدظلہ جب دارالعلوم دیوبند کے سفر سے واپس ہوئے ،تواولین فرصت میں پہلاتاثریہ پیش کیاکہ میں دارالعلوم کی درس گاہوں میں مختلف اساتذہ کرام کے درس میں شریک ہوااوردارالعلوم کے مختلف احاطوں میں گھوماپھرا،میں نے اس دوران وہاں کی درودیوار سے اپنائیت اورانس کااحساس کیا،عالم تفکر میں سوچتارہاکہ میں تو پہلی باریہاں آیاہوں،پھریہ کیفیت کیسی رہی؟دل نے جواب دیا؛ارےتم تو دارالعلوم حقانیہ میں پڑھ کرآئے ہو۔مجھے اُس وقت یہ احساس ہواکہ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے کیسی عجیب منصوبہ بندی سے اپنے ادارے کی بنیادمیں مادرعلمی کانقشہ برابرکاررکھاہے۔آپ نے نہ صرف نصاب ودرجہ بندی اورنظم ونسق میں اس کالحاظ رکھابلکہ تعمیراورظاہری رنگ وروغن میں بھی دارالعلوم کی تقلیدکوضروری قراردیا۔ابتدائی دورمیں حضرت جب اس کاآغازفرمارہے تھےتو کچھ بزرگوں کاکہناتھاکہ مولاناہوامیں اڈے تعمیرکررہے ہیں،کیونکہ یہ حالات کسی ادارے کی تعمیروترقی کیلئے سازگارنہیں،مگر وقت نے ثابت کردیاکہ واقعتاوہ ادارہ آفاقی بن کرآج دنیاکے کونے کونے میں اپناجال بچھاچکاہے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ بحربےکراں ہے کہ گوبظاہروہاں عمارت کی خستہ حالی،پراناپن نیزاس کی شکستہ درس گاہوں کے حوالے سے نظم وضبط میں کمی کااحساس ہوگا،ساتھ ہی موجودہ تعمیرات کےفن کے حوالے سے کوئی معنی خیزفن کاری کاکوئی گوشہ بھی دیکھنےکونہیں ملےگامگر بایں ہمہ یہاں کی گلی گلی اوراینٹ اینٹ اہل اللہ کی عظمت کی نشانی پیش کررہی ہے،اورجس پرہم جیسے عشاق کے لیےفخروسعادت کابیشترسامان ہےاورایک لحاظ سے یہ اس سمندرکی مانند ہے جواپنی وسعت ظرفی اورکھلاپن کے باعث کسی قسم کی بدنظمیوں سے اپنی طہارت کی صفت کومتاثرنہیں کربیٹھتا۔میرےخیال میں ہم اپنے مادرعلمی کی اس جیسے سمندرکے اعلیٰ اورارفع مقام میں مشاہدہ کررہے ہیں...... پوشیدہ یہیں ہے اسرارِخودی

بانی جامعہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے دارالعلوم دیوبند میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کی صحبت میں پھلنے بڑھنے ،آپ سے فیض یافتہ اورخوشہ چین ہونے کے باعث اپنی ذات کوصرف منصب تدریس تک محدودنہیں رکھابلکہ مدنی ذوق اپناتے ہوئے درس وتدریس ،اہتمام وانصرام ،عوامی محافل میں شرکت، قرب وجوار کے احباب کے دکھ سکھ میں برابرکاحصہ دار،اورساتھ ہی معاشرہ میں رواں سرگرمیوں پرگہری نگاہ رکھتے تھے۔معاشرہ میں گھل مل رہنے کے باعث وقتی تقاضوں کے مطابق دین کاجوشعبہ یاجوخدمت

ضروری اورفوری نوعیت کی ہوتی آپ اس کے لیے کمر کس کرتوکل علی اللہ کے ہتھیار سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔ آج افغانستان میں روس جیسے سپر پاور کے زوال کی کہانی ہویاپھرافغان طالبان کا برسراقتداررہ کرامارت اسلامیہ کے قیام کانمونہ تویہ سب کچھ حضرت شیخؒ کے تلامذہ کی مرہونِ منت ہے جنہوں نے بے سروسامانی کے عالم میں کفریہ طاقت کوللکارکرا سے انجام بدتک پہنچایا۔ ملک کے اندرآئین سازی میں نہ صرف تجاویز کی حدتک اکتفا کیا بلکہ ایوان پہنچ کرعملی جدوجہد میں حصہ ڈال کرپاکستان کے آئین اوردستورکوقراردمقاصد اورملک کی نظریاتی شناخت کے مطابق ترتیب دینے میں تادم آخیراپنی توانائیاں صرف کیں۔ ملک میں جاری وقتاًفوقتاًبدنظمی یاپھرہمہ جہت تحریکات میں حصہ لے کردین ومذہب کے حوالے سے اپناایمانی جذبہ پیش کیا۔تب ہی توآج ہم ان کےگلشن کی تروتازگی اوررعنائی کے ہر گملے، گلدستے ،شاخ اورہردرخت میں بانی جامعہ کی جھلک دیکھ رہے ہیں۔ آج اگرایک طرف خودان کے جانشین حضرت العلامہ مولاناسمیع الحق صاحب مدظلہ العالی اپنے والدگرامی کےنقش قدم پرہمہ جہت شعبوں کی مالیاری میں مصروف عمل ہیں توساتھ ہی حضرت شیخؒ کی دعاؤں کی طفیل جامعہ سے وابستہ فضلاء کی جماعت بھی مسلسل متنوع انقلابات میں صفِ اول کے سپاہی بنے ہوئے ہیں۔حضرت والدمکرم مدظلہ کے کہنے کے مطابق حضرت شیخؒ رحمہ اللہ ہمیشہ دعاؤں کی فہرست میں یہ دعانہایت اہتمام کے ساتھ فرماتے کہ اے اللہ! جامعہ دارالعلوم حقانیہ کےتمام سابقہ،موجودہ اورآئندہ آنے والے فضلاء کودینِ اسلام کی خدمت کے لیے قبول فرما،یہ دعا حضرت شیخؒ نہایت درمندانہ لہجے اورتضرع کی ایسی کیفیت میں اہتمام کیساتھ فرماتے تھے کہ دل اس کی قبولیت کی گواہی دیتا۔عموماًاس قسم کے اہم مواقع میں آپ اپنی ذریت اوراولادپر ابنائے جامعہ کومقدم رکھتے ،آج انہی دعاؤں کی برکت سے ہم بزم کمال کی سرسبزوشادابی کانظارہ کررہے ہیں، مجھے دارلعلوم حقانیہ کے فضلاء میں یہ عجیب مظہردیکھنےکوکئی بارمحسوس ہواکہ خالق ربانی نے جس انسان میں جوصلاحیتیں اورجواہرودیعت رکھے ہیں ،حضرت شیخؒ اوران کے جانشین حضرت العلامہ مولاناسمیع الحق صاحب نے ان کوبروقت بھانپ کرا سے جلابخشنے کا مناسب ماحول فراہم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت کیااورنہ ہی اس میں بخل سے کام لیا،نہایت دریادلی ،فراخی اوروسعت ظرفی کے انداز میں اس قسم کے باصلاحیت افرادکواپنے قریب کرکے اسے بام عروج تک پہنچایا۔یہ حقیقت ہے کہ ایک ادارے میں طلبہ کی صلاحیتوں کااگر بروقت انتظام کیاجائے تووہ مستقبل میں جاکرادارے کے بہتر ترجمان ثابت ہوسکتے ہیں، ورنہ وہ صلاحیتیں ماندبھی پڑسکتی ہیں۔

....

1947ء میں جب دارالعلوم حقانیہ کی بنیادرکھی گئی توحضرت شیخؒ نے درس وتدریس کے مشغلہ کے

ساتھ ساتھ اُس وقت کے حالات کے حوالے سے فتنوں پر کڑی نگاہ رکھی۔ انگریز سامراج نے مسلم معاشرہ میں جس نئے فتنے کی قادیانی شکل میں بنیاد رکھی تھی، اور جس سے وہ گویا مسلمانوں کے دلوں میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد جیسی عظیم عبادت کے جذبے اور سب سے بڑھ کر جس تصور کو وہ مسلمانوں کے قلب ودماغ سے ختم کرنا چاہتے تھے، وہ اسلام کی ابدیت اور عالمگیریت کی خصوصیت ہے۔ کوئی شک نہیں کہ تعلیمات نبوی زمان ومکان اور تا قیامت بغیر کسی تغیر وتبدل اور ترمیم واضافہ کے مسلمانوں کا قیمتی اثاثہ ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس کو کیسے یرغمال بنایا جائے؟ کیسے اس شیرازے کو بکھیر کر مسلم معاشرہ میں ایک نئے فتنے کی تخم ریزی کی جائے، جس کے لیے انہوں نے ضرورت کی یہ کہانی بھی گھڑلی کہ جس طرح انسانی ضروریات اور حاجات اور معاشرتی تقاضے، حالات وشخصیات اور عباد وبلاد کے اعتبار سے تغیرات کے شکار سے بچ نہیں سکتا، ایسا ہی تعلیمات نبوی اور اسلامی احکام میں بھی ظروف کے تغیر کے اعتبار سے ہر کسے کی رائے زنی کو جگہ ملنی چاہیے، اور یوں گویا وہ مسلمانوں کو اس عقیدہ میں مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں، کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے باب میں آخری اور فائنل اتھارٹی قرار دیا جائے، تو معاشرتی ترقی رک جائے گی، اور دنیا جہاں کے نت نئے انقلابات سے ہم نابلد اور پسماندہ رہ جائیں گے۔ اس تصور کو لے کر انہوں نے قادیانی فتنے کی تیاری مغربی دنیا کے اس ماحول میں کی جہاں ان کو سب سے پہلے اسلامی تعلیمات سے آگاہ رکھا گیا، اور قرآن وسنت کی ضروری یاداشتیں دینے کے بعد ایک نئے فتنے کی داغ بیل ڈالنے کیلئے اسے مسلم معاشرہ میں بھیجا گیا۔ اور خاکم بدہن اگر وہ اس زہریلے جراثیم پھیلانے میں کامیابی پاجاتے تو مسلمانوں کا قیمتی اثاثہ زیرآب ہوتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس موقع پر علمائے دیوبند نے اس کی سرکوبی میں جان ومال کی قربانیاں دے کر اس عظیم فتنے کے آگے ہر اعتبار سے حصار بنادیا۔ اور خود اپنے سینوں کا نذرانہ پیش کر کے سد ذی القرنین ثابت ہوئے، آج انہی کی بدولت مسلمانوں میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے سر مٹنے کا جذبہ محفوظ ہے۔ اس مشن کے حوالے سے حضرت شاہ انور شاہ کشمیریؒ کا یہ جملہ نہایت معنی خیز اور حوصلہ بخشنے کا باعث ہے کہ احادیث نبوی کی تدریس حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کی خدمت ہے، مگر عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کا مسئلہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے براہ راست وابستہ مسئلہ ہے۔ جس میں معمولی دورانیہ کی خدمت بھی آپ کے قرب اور شفاعت کا باعث ہوگا۔

رد قادنیت کے پروگرام میں اساسی کام کرنے والوں کی فہرست میں برصغیر پاک وہند کے حضرت شاہ صاحب، حضرت پیر مہر علی شاہ، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا

محمد شریف جالندھری، شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ، محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا مفتی محمود جیسی نامی گرامی شخصیات ہیں۔ 1951ء میں حضرت شاہ جیؒ نے دارالعلوم حقانیہ کے جلسہ دستار بندی سے خطاب کے دوران عقیدہ ختم نبوت پر روشنی ڈالتے ہوئے ہزراویہ سے اس کی وضاحتیں اور زہریلے فتنے کی تعاقب کے لیے لائحہ عمل، طریقہ کار اور اپنے مشاہدات و تجربات کو حاضرین مجلس کے سامنے رکھا، جس کی پوری روئیداد کتاب ہذا کا مستقل حصہ ہے۔ آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ سفر و حضر، خلوت و جلوت اور جلسے جلوسوں کی تقاریر کا موضوع بس یہی بنایا کہ جہاں گئے تو ایمانی جرأت وحمیت کے ساتھ اس فتنے کو للکارا، اور مسلمانوں میں اس کے تحفظ کے لیے مر مٹنے کے جذبہ کو بیدار کیا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں باقی تمام چیزیں آپ علماء سے سیکھوں گا، لیکن "اناخاتم النبیین لانبی بعدی" میں لانبی بعدی تم لوگ مجھ سے سیکھ کر جاؤ۔ پھر جس کے حوالے سے آپ اس میں نہایت دلچسپی کے نکتے مسلسل بتاتے چلتے۔

ردّ قادیانیت کے حوالے سے گوکہ 1953ء سے قبل مجلس احرار اسلام کے نام سے سرفروشان اسلام برابر مزاحمت میں مصروف تھے، مگر قیام پاکستان کے بعد منظم شکل میں پاکستان کی سطح پر مجلس تحفظ ختم نبوت معرض وجود میں آئی۔ جس کی سربراہی میں حضرت شاہ جیؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ پیش پیش تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے اُس وقت ابتدائی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے اس عظیم مشن سے متعلق یوں فرمایا:

''مسئلہ ختم نبوت میں مسلمانوں اور قادیانیوں کا اختلاف شیعہ سنی کے مانند نہیں، بلکہ یہ ایک ایسا اختلاف ہے جیسا کہ مسلمان اور مشرک میں ہوتا ہے۔

مزید آپ نے فرمایا: ''کہ آج تحریک ختم نبوت کے علم برداروں اور فدائین پر جو بے تحاشہ مظالم ڈھائے جارہے ہیں، اس سے آج حجاج بن یوسف، بخت نصر، فرعون اور نمرود کی یاد تازہ کی جارہی ہے۔

انہی دنوں میں مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ کے جیل جانے پر فرمایا:

''کہ ہمارے اسلاف اور اکابر بزرگوں نے اس سے سخت سخت تکالیف دین کی خاطر برداشت کیں، ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی تو یہ حالت تھی کہ مکہ کے تیرہ برس ان پر ایسے گزرے کہ گاؤں سے نکلتے تو ان پر پتھروں کی بارش ہوتی، اور وہ دین کی خاطر برداشت کرتے، اب لوگ کمزور اور ضعیف ہوگئے، اس لیے مصائب اور ابتلاء میں بھی کمی ہوئی اشدالناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل۔

مجلس احرار اسلام اور مجلس تحفظ ختم نبوت کی جہد مسلسل اور شبانہ روز محنتوں بالخصوص 1953ء کے حوالے سے عظیم جانی شہادتوں کے ذریعے اس مسئلہ کی حفاظت کے لیے جان توڑ کوششیں جاری رکھیں، چلتے چلتے یہ آواز اور یہ قوت توانا بن گئی، اور 7/ستمبر 1974ء کو ایوانوں کی سطح پر یہ تمام تر محنتیں رنگ لائی

اور پاکستان جیسی نظریاتی ریاست کو اس قسم کی بدبودار اور متعفن لوگوں سے پاک کرنے کا قانونی فیصلہ معرض وجود میں آیا۔ جس میں ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر مسلمانوں کی صف سے الگ کیا گیا۔ یوں مغربی دنیا کی طویل محنتوں کو ایک واضح لگام دی گئی اور یہی وہ موقع تھا کہ عالم اسلام کے مشہور عالم دین شیخ ابوالحسن علی الندویؒ نے عربی شعر پیش کرتے ہوئے یہ پیغام دیا کہ یہی تو وہ موقع ہے، جس کا مدتوں سے انتظار کیا جارہا تھا، آج لوگوں کو اس دن کے حوالے سے اپنے نذرانے دینے چاہیے، آپ نے فرمایا:

ـ ھذالذی کانت الایام منتظراً فلیوف للّٰہ اقوام بماندروا

کچھ مدت گزرنے کے بعد قادیانی جماعت کے اتحادی اقوام متحدہ، امریکہ، ایمنسٹی انٹرنیشنل وغیرہ قوتوں نے جب دجل اور فریب سے کام لیتے ہوئے، اسلام کی بنیادی اصطلاحات اور شعائر اسلام کا استعمال شروع کیا، جن میں صحابہ کرام کی مقدس جماعت، مسجد، اذان واقامت وغیرہ وغیرہ۔ گویا وہ یوں چاہتے تھے کہ یہ اقلیتی جماعت بھی مسلمانوں میں گھل مل کر رہ سکے، مگر اللہ بھلا کرے محترم صدر ضیاء الحق کا جنھوں نے 1984ء میں امتناع قادیانیت آرڈیننس کے ذریعے اس سوراخ کو بھی بند کردیا، اور دستور کی سطح پر فتنہ اپنی موت مرا۔ بحمدللہ یہ تمام تر کارروائیاں ملک کے قانون ساز اور با اختیار طبقہ کی جانب سے ایسے انداز میں آئیں کہ جس کے ذریعے دنیائے اسلام کے سامنے مملکت پاکستان کی نظریاتی شناخت خوب نکھر کر آئی۔ اس موقع پر یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ یہ تاریخ ساز فیصلہ اُس وقت کے برسراقتدار پارٹی کے باہمی تعاون سے ہی معرض وجود میں آیا۔ مگر یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس کی پشت بانی اور پشت پناہی میں جان کی بازی لگانے والوں میں علمائے دیوبند کی سرخیل جماعت شامل تھی۔ جس طرح قیام پاکستان میں علماء کی صف میں بعض دوسری قوتیں بھی تھیں مگر ان کو علماء کی معیت نے توانائی بخشی، یوں اس مسئلہ کی نوک پلک میں حساس پہلو، اثرات اور پیش قدمی کے اعتبار سے اگر علماء شریک کارواں نہ ہوتے، تو شاید تعاقب کی یہ کیفیت سامنے نہ آتی۔

میری نگاہ میں یہ مملکت پاکستان کی خصوصیت ہے کہ جہاں سے اس عظیم فتنے کو علماء دیوبند کے ابناء واحفاد نے لگام دیا، اور اس کے بعد باقی اسلامی ملکوں میں اس کے مطابق قراردادیں اور قانون سازیاں کی گئیں۔ الحمدللہ علمائے کرام نے برصغیر پاک وہند کے چپہ چپہ، گلی گلی، چوراہوں اور دیہاتوں میں اس نظریہ کی پرچار کر کے مسلمانانِ وطن کو آگاہ کیا، کہ ایمان کے ان رہزنوں سے خود اور اپنے اہل وعیال کو بچا کر رکھیں۔ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے کہ جب قادیانی جماعت کی سرگرمیاں قادیان میں تھیں، تو وہاں بھی علماء کی سرخیل نے اس کی تردید کے لیے دندان شکن انتظامات کیے تھے، مگر جب وہ قیام

پاکستان کے بعد ربوہ کے مقام منتقل ہوئے تو نہ صرف ربوہ کے حوالے سے قانونی کاروائیاں کی گئیں بلکہ ان کے دجل اور فریب سے سادہ لوح مسلمانوں کو آگاہ کیا۔ اور جب صدر ضیاء کی آرڈیننس کے نتیجہ میں ان کی تمام تر سرگرمیاں اپنی اصل جائے قرار لندن کو پہنچی اور وہاں سے انہوں نے اپنی آواز کو توانا رکھنے کی کوشش کی تو حضرات علمائے دیوبند کی جماعت نے وہاں پہنچ کر سیرت خاتم الانبیاء اور تحفظ ختم نبوت کے جلسے، کانفرنسز اور عمومی آگاہی کی مہم کو جلا بخشا۔ بقول اقبال ......

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

اس موقع پر ممکن ہے کہ کوئی آزادی اظہار خیال یا پھر مذہبی آزادی اور مذہبی رواداری کا سہارا لیتے ہوئے ہم سے یہ شکوہ کناں ہو کہ آخر اس اقلیتی گروہ کے ساتھ تم اتنے سخت رویہ سے کیوں نمٹ رہے ہو؟ ان کے ساتھ باقی اقلیتوں جیسی رواداری کیوں نہیں کی جا سکتی؟ ضمن میں لطیفے کے طور پر عرض کروں کہ حضرت والد مکرم مدظلہ نے ایک موقع پر فرمایا: ''مجھے کچھ تحریرات میں قادیانیوں کے حوالے سے یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوئی کہ وہ توحید کو بڑے اچھے انداز میں بیان کرتے ہیں، حالانکہ کہنے والے کے حق میں یہ ان کے جہل اور بنیادی ارکان دین سے غفلت کی کتنی بڑی علامت ہے۔'' اصل میں غور کیا جائے تو باقی غیر مسلم دنیا میں جہاں کہیں بھی ہوں وہ کھلے عام اپنی تعلیمات کی پرچار کر رہے ہیں، اور اس میں دجل وفریب یا پھر جدید دور کی اصطلاح میں سمجھانے کے طور پر کہا جائے کہ وہ لوگ دوسروں کے ٹریڈ مارک کو استعمال نہیں کرتے، بلکہ خود اپنی شناخت کی بنیاد پر اپنا فریم ورک پیش کرتے ہیں۔ ایسے میں یہی ایک ملعون طبقہ ہے کہ جو مسلمانوں کے ٹریڈ مارک کو استعمال کر کے اپنے خبث باطن کو پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تو جس طرح ایک شہری کے ذاتی ٹریڈ مارک کو دوسرے کے لیے استعمال کا کوئی قانونی اور عرفی جواز نہیں، تو پھر دین اسلام اور ان کے پیروکاروں کے ٹریڈ مارک کو دوسرے فتنہ انگیز لوگ جعل سازی کے ساتھ کیسے استعمال کا حق رکھتے ہیں۔ میرے خیال میں مغربی دنیا کے مفکرین اور ہیومن رائٹس کے علم برداروں کو مسئلے کا پس منظر اس حساس نگاہ سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

پاکستان کی تاریخ میں علما اور اہل علم بالخصوص جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے کردار اور عمل سے عمومی آگاہی کے لیے حضرت استاذ محترم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے نہایت بروقت اور برمحل اس حساس مسئلے کو اپنے نونہار فضلاء مولانا محمد اسرار مدنی اور مولانا انعام الرحمٰن سلمہما الرحمن کے ذریعے آج کی نئی نسل کو اس فتنے سے آگاہ رکھا۔ ماہنامہ الحق میں خود حضرت کی چشم کشا تحریرات اور تاریخی دستاویزات، نیز

حضرت شیخ مولانا عبدالحق کی جابجا اسمبلی اور دیگر حساس مقامات پر فکر انگیز خطبوں کو یکجا کیا۔ اس موقع پر میں ایک بار پھر یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوں کہ حضرت استاذ محترم کو حالاتِ حاضرہ کے تقاضے اور موقع شناسی کا جو ادراک ہے، وہ شاید ہمارے علمی طبقہ میں بہت کم شخصیات کے حصہ میں ہو۔ آج کے سائنس اور ٹیکنالوجی اور سوشل میڈیا کی اس ترقی کے دور میں جب دیکھا گیا کہ نوجوانوں کی طبعی مزاج اور احساسات کا رجحان باطل نظریات کی طرف ایک سیلاب کی مانند بڑھ رہا ہے، جس کا خود اس کو کسی بھی طور پر احساس نہیں، وہ شاید ترقی کے نام ،عصری تقاضوں کی تلاش میں یا پھر عصری بین الاقوامی تعلیم گاہوں میں ڈگریوں کے حصول کی خواہش میں ایک ایسے ماحول سے سامنا کر رہا ہے، کہ جہاں اس کی نظریاتی دنیا اور فکر ونظر سے کھیلا جا رہا ہے، مگر اسے کچھ خبر نہیں ، بھلا ایسے موقع پر حضرت نے ان کو پاکستان کی تاریخ میں اس سیاہ فتنے سے آگاہ رکھنے اور مسلسل اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا عظیم ،علمی اور فکری ہدیہ پیش کیا۔

میرے خیال کے مطابق اس حساس مسئلے کو صرف جذبات کی حد تک محدود نہ سمجھا جائے بلکہ یہ مسلمانوں کی شہ رگ اور قلب ودماغ کی گردش کا مسئلہ ہے، جس سے وہ کسی طور پر غافل نہیں رہ سکتا۔ تاہم علماء اور اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ دین کی باقی تعلیمات سے آگاہی دینے کے ساتھ ساتھ اس کی طرف بھی توجہ دیں، ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ فرق ضالہ رنگ برنگ اور نت نئے ناموں کے ساتھ اپنے باطل نظریات کو جگہ دینے کے لیے مسلم معاشرہ میں برابر کا سفر کر رہے ہیں، اور مزید آج کی میڈیا کی یلغار میں وہ سفر بہت حوالوں سے آسانی کا سبب بھی بن گیا ہے، عموماً وہ لوگ مزاج شناسی اور طبعی رجحانات کے مطابق اپنے مؤقف کو ترتیب دینے میں کامیابی حاصل کرتے ہیں، کہیں وہ مظلوم اور بے سہارا لوگوں کو امید کی کرن دے کر اپنے مذموم عزائم کو جگہ دینے کی کوشش کرتے ہیں، کہیں وہ مسلم امہ کی ہمدردی یا دیگر پرفریب نعروں کا لبادہ اوڑھ کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آج ہمارے وطن عزیز میں بعض حساس مناصب پر انہی کے ترجمان پہنچ کر خاموش انقلاب کے داعی بن چکے ہیں، مگر بقول کسے

ے بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش   من انداز قدت را می شناسم

تحریک ختم نبوت کے حوالے سے کام کی نوعیت صرف قانون سازی اور امتناع قادیانیت آرڈیننس یا پھر طرح طرح کے جلسے جلوسوں تک محدود نہیں کیا جا سکتا، اس کی حساسیت کا بالکل ایسا عالم ہے جیسا کہ ماحولیاتی مسئلے کا ہے کہ جہاں انسانی معاشرے کو پرفضا ماحول اور صحت افزا ہواخوری کے لیے ماحول کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے، بالکل ایسا ہی اسلامی معاشرہ میں رہتے ہوئے نسل نو کے ایمان اور عقیدہ کے

تحفظ کے لیے ان ہتھکنڈوں کا برابر کا جائزہ لینا ہوگا۔ یہ جس طرح ماضی میں ذکری، بابی اور بھائی یا پھر قادیانی اورامریکی نبی ایل جی محمد وغیرہ کے بارے میں کام کر چکے ہیں، ایسا ہی وہ اس کو تسلسل دینے پر اتر آئے ہیں،اس لیے ہمیں ان متنوع فتنوں کے حوالے سے عمومی وعظ ونصیحت کی محافل اوراسی طرح دیگر ابلاغ کے ذرائع سے معاشرے کے ساتھ برابر کا واسطہ اور تعلق رکھنا ہوگا۔ یہی وابستگی ان کو کسی بھی فتنے سے نمٹنے کے لیے تازہ دم رکھے گی۔ مزید تعلیمی اداروں میں اس موضوع کو بطور نصاب لے کر ہمیں بچے کی شعوری دور سے یہی رجحان رکھنے کا انتظام کرنا ہوگا کہ ضروریاتِ دین سے متعلق اسے مکمل آگاہی مل سکے۔ ساتھ ہی نوجوان طبقے کو اس موضوع کی اہمیت کے ناطے قدیم وجدید تاریخی کارناموں سے وابستہ تحریرات کے مواقع فراہم کرنے ہوں گے۔

ان تمام جہات کی اہمیت کے اعتبار سے حضرت استاذ محترم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی یہ نئی کاوش ہمارے لیے نئی راہوں میں بہتر رہبری کا سامان مہیا کررہا ہے۔ حضرت نے اپنی کتاب کو سات ابواب میں تقسیم کرکے ردقادیانیت کے باب میں دارالعلوم حقانیہ کے فورم سے جوصدا بلند ہوئی ہے، ان کو ترتیب وار سلیقہ مندی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

باب اول میں تحریک ختم نبوت کی ابتدائی کہانی 1951ء تا1953ء حالات وواقعات اور اُس وقت پیش آمدہ ظروف کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

باب دوم میں تحریک ختم نبوت 1971ء جس میں قادیانیوں کی بنگلہ دیش کے لیے بھارتی پالیسی کی حمایت اور دیگر درپردہ حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب سوم میں تحریک ختم نبوت 1972ء تا1974ء جس میں مسلمان کی تعریف اوراس پر ارکان اسمبلی کے تبصرے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کے موقف کو بطور خاص ذکر کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ قادیانیوں کے خلاف پارلیمانی جدوجہد، حضرت شیخ کی اسمبلی میں چشم کشا خطابات، 1974ء میں اسمبلی میں اقلیتی قرارداد،قومی اسمبلی کا تاریخ ساز فیصلہ،تاریخی فیصلے پر مولانا سمیع الحق صاحب کانذرانہ عقیدت اورعالمی اثرات وغیرہ وغیرہ اہم موضوعات کو ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔

باب چہارم میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے اپنے اچھوتے طبعی ذوق کے بنا پر قومی اسمبلی کے اس تاریخ ساز فیصلہ کے موقع پر مشاہیر عالم اسلام کی خدمت میں ایک سوال نامہ ترتیب دیا ہے،جس میں یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے، کہ آپ کی نظر میں اس فیصلے کے حوالے سے کیا جذبات ہیں؟ نیز آئندہ کے حوالے سے اس میں مزید کام کی نوعیت اور لائحہ عمل کا تعین کیسے ہوگا؟ مستقبل میں قومی اور عالمی حالات کی

روشنی میں اس فیصلے کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ وغیرہ وغیرہ سوالات کیے گئے ہیں۔ مشاہیر اہل علم میں اس وقت کے رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل ،حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب ، علامہ ظفر احمد عثانی ،محدث العصر مولانا سید یوسف بنوری ،مولانا مفتی محمود ،مفتی محمد شفیع ،علامہ شمس الحق افغانی ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور شیخ ابوالحسن علی الندویؒ کے تجزیے ،تبصرے ،اور لائحہ عمل کے حوالے سے جو عالمانہ اور فاضلانہ خطوط کھینچے ہیں ،وہ نہایت دلچسپی اور علمی مطالعہ کی وسعت کا باعث ہیں۔

باب پنجم میں وفاقی مجلس شوریٰ اور سینٹ میں تعاقب جس کے ذیل میں واضح کیا گیا ہے کہ اس اہم موضوع کو نصاب تعلیم میں جگہ دی جائے ،ساتھ ہی امتناع قادیانیت آرڈیننس 1984ء کا مکمل متن علاوہ ازیں حضرت استاذ محترم کا اس موضوع پر 38 سال مسلسل ایوان بالا اور عوامی تحریکات میں بے باک تجزیے اور اس پر اہل علم وقلم کی خراج تحسین کو بھی ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔

باب ششم میں منبر حقانیہ سے دفاع ختم نبوت پر جن ارباب علم ودانش اور اصحاب علم وفضل نے دارالعلوم کے منبر ومحراب کو رونق بخش کر اس حساس موضوع پر جو کچھ ارشاد فرمایا ہے حضرت مدظلہ نے اس کو ضبط تحریر میں لاکر آج ان لوگوں کو بھی اس محفل میں شریک کررکھا ہے ،جو شاید اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ موصوف نے یہ عظیم محنت ایک ایسے زمانے میں کی کہ جہاں ریکارڈنگ کے لیے کوئی موزون انتظام بھی نہیں تھا ،مگر یہ ان کی بے چینی رہتی کہ کوئی شخصیت جامعہ تشریف لائے اور ان کے فرمودات کو جامۂ تحریر میں پیش نہ کیا جائے۔ اس قسم کی تڑپ کا احساس ہمیں آپ کی کتاب ''خطابات مشاہیر'' کے سینکڑوں صفحات میں مسلسل دکھائی دے رہی ہے۔

باب ہشتم میں ردقادیانیت اور ماہنامہ الحق کے ذیل میں پون صدی پر مشتمل اس ملی اور عالمگیر تحریک کے حوالے سے چشم کشا حقائق ،مشاہداتی واقعات اور چشم دید حالات سے لبریز جو نقوش ثبت کیے ہیں ،ان کو مستقل باب میں ذکر کیا گیا ہے۔ ماہنامہ الحق کے بیشتر صفحات میں حضرت نے اس موضوع سے متعلقہ رونما ہونے والے واقعات کی تشخیص ،اسباب اور اس کے اثرات نیز اس سے نمٹنے کے لیے جو تدابیر اور لائحہ عمل طے کیا ہے وہ خاصی دلچسپی کا باعث ہے۔ دارالعلوم حقانیہ کو اس حوالے سے بھی ایک اعزاز حاصل ہے کہ جہاں ایک ایسے وقت میں مجلّہ اور مؤتمر المصنفین کی بنیاد رکھی گئی کہ عموماً اس صوبے کے اہل علم اس قسم کی سرگرمیوں سے آشنا نہیں تھے۔ اس میں بھی حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے بچپن سے رواں ڈائری کے حسین ذوق کا بڑا کردار رہا۔ آپ نے اس فورم سے ہمیشہ کے لیے لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ کی تصویر بن کر فرق ضالہ کے کامیاب تعاقب کے نقوش کھینچے اور اس وقت تک آپ نے سکھ کا سانس نہیں لیا ،جب تک مدمقابل کے خبث باطن کو آشکارا نہیں کیا۔ آپ نے قلم اور نقوش کے عظیم جہاد سے دنیا کے کونے کونے

تک اپنا پیغام پہنچایا۔اپنے دلی جذبات سے دوسرے کوآگاہ رکھا،اوراپنی آراء کادوسروں سے تبادلے کے عمل کوبھی جلا بخشا،مسلسل آپ اس حوالے سے تاہنوز متفکر دکھائی دے رہے ہیں۔غور کیاجائے توگزشتہ صدی میں جہاں رابطے کے سلسلے میں سب سے اہم ترین ذریعہ یہی خط وکتابت اورتحریری نقوش ہوا کرتے تھے،آپ نے اس کانہایت دلیرانہ انداز میں استعمال کرکے ہرقسم کی صعوبتوں کو گلے لگایا۔آج اگر ماہنامہ الحق کوئی اہم مجلات کی فہرست میں پیش روکی حیثیت سے ایک مقام حاصل ہے،تواس کے پس منظر میں حضرت مدظلہ کی شبانہ روز بے قراریاں،وسائل کی عدم دستیابی اورصبر آزمامراحل بھی خود مستقل ایک تاریخ اورہم جیسے نوواردین کے لیے مستقل عبرت کے درس پیش کررہاہے۔آج مسلسل پون صدی سے زیادہ کاعرصہ گلشن حقانیہ سے ماہنامہ الحق کے ذریعے حق بات کوحق طریقے سے ملک وملت کوپہنچانے کاعظیم جہاد جاری ہے۔ہمیں بے حد خوشی ہورہی ہے کہ حضرت مولانامدظلہ کے مشن کوان کی زندگی میں ان کے صاحبزادگان نے سنبھال کرگزشتہ کافی عرصہ سے ماہنامہ الحق کے پیغام کومعاشرے تک پہنچانے کا بخوبی کردار اداکررہے ہیں۔میں بطورخاص الحق کے حوالے سے برادرمکرم مولاناراشدالحق صاحب اورمولانا حامدالحق صاحب کاتذکرہ ضروری سمجھوں گا،کہ جوحضرت والدمکرم اورحضرت داداجان کی فکرکولے کرہمیشہ پُرعزم رہتے ہیں۔اول الذکر نے ماہنامہ الحق کے رتبے،مقام اورمنزلت کو نہ صرف برقراررکھا بلکہ اسے مزید توانا رکھ کرنئی جہات سے اس میں کام کی سبیلیں تخلیق کیں۔رب کائنات گلشن حقانیہ کی تروتازگی اور رعنائی کوتاقیامت ہرقسم کے زوال سے محفوظ فرمائے۔

ادارہ مؤتمرالمصنفین کی دیگر تالیفات جن میں بالخصوص فتاویٰ حقانیہ کی کمپیوٹرائز اشاعت،دعوات حق کی جدید شکل نئے اضافوں کے ساتھ حال منصۂ شہود پرآنے سے بے حدخوشی ہورہی ہے۔مزید آئندہ کی مطبوعات میں بالخصوص حضرت امام المفسرین مولانااحمدعلی لاہوریؒ کے''تفسیری افادات'' کوحضرت مولانا سمیع الحق صاحب جس نہج پرمرتب کرنے جارہے ہیں وہ اردو تفاسیر میں ایک معتدبہا اضافے کاباعث ہے، کیونکہ حضرت کی تفسیر پراب تک کوئی قابل قدرکام نہیں ہواہے۔ساتھ ہی چونکہ آپ براہ راست حضرت لاہوریؒ کے علمی افادات سے خوشہ چین رہ چکے ہیں،اس لحاظ سے بھی یہ مساعی نہایت متبرک معلوم ہوتی ہے اور قارئین اندازہ کریں کہ ایک باکمال استاذ کو جب باکمال شاگرد میسر آجائے تووہ ان کے علمی افادات کی ترتیب اورسلیقہ مندی کامعیار کیسے رکھے گا۔مجھے بزرگوں کے حوالے سے معلوم ہوا کہ حضرت لاہوریؒ بڑے فخر کے ساتھ درس میں فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مولاناعبدالحق صاحب اکوڑہ نے ہم پر یہ احسان کیا ہے کہ اپنے صاحبزادے کوہمارے ہاں بھیجا ہے جومستعد ہوکرہمارے درس کوقلمبندکررہاہے۔ہم ناکارہ کی یہی تمنا ہے اورماہ رمضان کے حوالے سے بارگاہ الٰہی میں یہ التجا ہے،اے قادرمطلق!توہی اس مبارک سلسلہ کی تکمیل کی توفیق کی سعادت حضرت استاذ محترم کوصحت وعافیت اورخیروبرکت کے ساتھ عطافرما۔امین

مولانا محمد اسحٰق حقانی٭

مولانا سمیع الحق کی ڈائری اور علمی منتخبات

ایک عظیم علمی و تاریخی دستاویز

ڈائری (Diary) انگریزی زبان کا لفظ ہے، جسے اردو میں "روزنامچہ" اور عربی میں المذکرۃ الیومیۃ کہا جاتا ہے۔ ڈائری دراصل کسی شخص کے ان احوال و واقعات، احساسات و مشاہدات اور حاصلِ مطالعہ کا مجموعہ ہوتا ہے جنہیں وہ روزانہ تاریخ وار تحریر کرتا ہے۔ اسکے ذریعے وہ نہ صرف اپنی ذات اور گرد و پیش کی ایک مختصر سی تاریخ مرتب کرتا ہے بلکہ وہ اس کے افکار و نظریات اور خیالات کا ترجمان بھی ہوتا ہے۔

ڈائری چونکہ لکھنے والے کی اپنی ذاتی زندگی کی خوشی غمی اور نشیب و فراز کی کہانی ہوتی ہے، یا اس کے احساسات و افکار اور تجربات کا نچوڑ ہوتا ہے جو اُس کے نظریہ و رجحان کی عکاسی کرتا ہے، اس لئے عمومی طور پر یہ ایک خالص ذاتی (private) قسم کی چیز سمجھی جاتی ہے جس کا دائرہ صرف اسی کی حد تک محدود ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ چونکہ وہ اسے ایک معتمد اور ہمدرد ساتھی سمجھ کر بے دھڑک اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہے اور اسے وہ کسی اور کے لئے نہیں بلکہ صرف اپنے لئے تحریر کرتا ہے اسی لئے یہ تصنع اور تکلف سے یکسر خالی ہوکر سادہ اور خالص بے تکلف لب و لہجہ میں ہوتا ہے۔ بقول مولانا عرفان الحق حقانی زید مجدہم:

"ڈائری یا روزنامچہ محققین کے نزدیک عرفان ہستی کا یومیہ زائچہ ہوتا ہے جو کہ ہر قسم کے تصنع، ملمع کاری، بناوٹ اور نمود و نمائش سے پاک ہوتا ہے۔ اسے خالص تاریخ بھی کہا جا سکتا ہے جس میں ایک فرد نہ صرف اپنی ذات کا حساب و کتاب رکھتا ہے بلکہ اپنے عہد، اپنے معاشرے، اپنے زمانے کی تاریخ، معاشرت، تمدنی حوادث، آفات و واقعات اور سانحات کا دفتر بھی محفوظ کرتا ہے، عموماً روزنامچہ اشاعت کی غرض سے نہیں لکھا جاتا..... ڈائری کی بنیادی خواص میں جزئیات نگاری، نکتہ رسی، بے ساختگی، برجستگی، شگفتگی، بے تکلفی شامل ہے، جب کسی روزنامچہ نگار کو یہ معلوم ہو کہ اس کی تحریر کوئی اور پڑھے گا تو پھر یہ تمام خصوصیات رخصت ہو جاتی ہیں"۔ (۱)

ڈائری کی تاریخ:

ڈائری کی تاریخ درحقیقت اتنی ہی پرانی ہے جتنی قلم و قرطاس اور کتابت کی؛ کیونکہ جب سے انسان نے سیکھ کر لکھنا شروع کردیا ہے، بدیہی طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے حالات و واقعات کو بھی

٭ شریک دورہ حدیث جامعہ دارالعلوم حقانیہ

قلمبند کرنے کی سعی کی ہوگی۔ بالفاظِ دیگر ڈائری کی ابتداء وہاں سے ہوتی ہے جہاں سے تاریخ مرتب ہونا شروع ہوا ہے بلکہ شاید تدوینِ تاریخ سے بھی پہلے؛ کیونکہ عام طور پر تاریخ کی ترتیب و تدوین کیلئے بھی ڈائری، روزنامچے اور یادداشتوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ بابل وقتوں میں حکومتیں اکثر اہم واقعات کا ریکارڈ رکھا کرتی تھیں۔ یونانیوں نے ایک ایسی کتاب ترتیب دی جسے "افیمیر ائڈس" کہتے تھے اور جس میں ستاروں اور سیاروں کی روزمرہ گردش کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔ یونان کو فتح کرنے والے رومیوں نے ان کتابوں کو استعمال کیا اور اس کی افادیت کو بڑھانے اور اسے زیادہ علمی بنانے کیلئے لوگوں کی دلچسپی کے حامل روزمرہ واقعات بھی ان میں درج کردیے۔ وہ انہیں "دیاریئم" کہتے تھے جو لاطینی لفظ "ڈائس" بمعنی "دن" سے مشتق ہے"۔ (۲)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزہ شق القمر پیش کیا تو مالا بار (موجودہ سری لنکا) کا راجہ جو اس زمانے میں "زمون" یا "سامری" کے نام سے مشہور تھا اور خاندان "بلویا" سے تعلق رکھتا تھا، اس نے یہ معجزہ دیکھ کر اس عجیب واقعہ کے متعلق تحقیق و تفتیش شروع کی اور اس واقعہ کو بطورِ یادداشت سرکاری روزنامچہ میں درج کرایا۔ (۳)

اسلامی تاریخ میں ہمیں اپنے اسلاف میں امام شافعیؒ کے روزنامچے کا ذکر ملتا ہے جس میں وہ اپنے حج اور دیگر علمی اسفار کے احوال رقم فرمایا کرتے تھے۔

ماضی قریب کے روزنامچوں میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی "کاروان زندگی" اور مذکرات سائح فی الشرق العربی، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا "احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن"، مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کی "ڈائری"، شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی "آپ بیتی"، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کا "نقشِ حیات"، مولانا ماہرالقادری کے فن پارے "روزنامچے" کے نام سے علمی اور ادبی حلقوں میں معروف ہیں۔ (۴)

"مولانا سمیع الحق کی ڈائری اور علمی منتخبات:

ڈائریوں کے اس تاریخی تسلسل میں ایک نئے عظیم باب کا اضافہ "مولانا سمیع الحق کی ڈائری اور علمی منتخبات" کی صورت میں ہوا ہے جو ابھی حال ہی میں منصۂ شہود پر آکر جلوہ افروز ہوا ہے۔

استاد گرامی قائد امت زعیم ملت استاذ العلماء والمجاہدین شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق دامت برکاتہم کی ذات گرامی کوئی محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ کی ذات کے تعارف میں پڑنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ آپ کی شخصیت کا شہرہ اس وقت چاردانگ عالم میں پھیلا ہوا ہے، اور آپ کی

علمی اور قومی وملی خدمات کی پوری ایک دنیا معترف ہے۔ آپ انتہائی جامع اور ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں، آپ بیک وقت عظیم محدّث، محقق، مدرّس، سیاسی زعیم اور مفکر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جہاں دیدہ شخصیت بھی ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں طالبانِ علوم دینیہ آپ کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کرکے اپنی علمی پیاس بجھا چکے ہیں اور بجھا رہے ہیں۔ علمی میدان میں کمال عروج پر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک منجھے ہوئے سیاسی زعیم اور قائد بھی ہیں۔ پوری امت مسلمہ بلکہ مغربی دنیا بھی آپ کی بصیرت افروز تجاویز و آراء کی روشنی میں اپنے لئے راہ عمل متعین کرتی ہے۔ آپ کا قلب سلیم امت مسلمہ کی مظلومیت اور بے بسی کیلئے ہمہ وقت فکر مند رہتا ہے۔

لیکن ان جملہ اوصاف و خصائل کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک کہنہ مشق ماہر ادیب اور کامیاب مصنف بھی ہیں۔ آپ کی سلیس، شستہ اور ٹھوس تحریر اردو ادب کی بلندیوں کو چھوتا ہے۔ اب تک علمی اور تاریخی موضوعات پر آپ کی بیسیوں کتب منظر عام پر آکر اہل علم وقلم سے داد تحسین حاصل کرچکی ہیں جن میں بعض دس دس جلدوں پر مشتمل ہیں۔ معروف مفکر اور سکالر مولانا زاہد الراشدی صاحب نے آپ کو اپنے ان تین معاصر بزرگوں میں شمار کرکے رشک کا اظہار کیا ہے جو تحریری محاذ پر مستند معلومات اور تاریخ کا ایک بڑا ذخیرہ مرتب کرکے نئی نسل کے حوالے کر رہے ہیں۔(۵)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت والا کی شخصیت اور خدمات پر روشنی ڈالنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کیلئے مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ کا قلم اور حوصلہ چاہئے جنہوں نے "مولانا سمیع الحق، حیات وخدمات" دو ضخیم جلدوں میں مرتب کرکے واقعتاً اس کام کا حق ادا کردیا ہے۔

مذکورہ بالا کتاب ''مولانا سمیع الحق کی ڈائری اور علمی منتخبات'' دراصل استاد محترم کی بچپن سے جوانی کے دور تک کی خودنوشت (Manuscript) ڈائریوں کا مجموعہ ہے، جو دو حصوں پر مشتمل ہے:

پہلا حصہ:

یہ حضرت مولانا مدظلہم کی ۱۹۵۰ء سے ۱۹۷۷ء تک اور ۱۹۸۳ کے ۲۹ سالہ تحریر کردہ ڈائریوں پر مشتمل ہے، جن میں آپ نے مختلف احوال تاریخ وار رقم فرمائے ہیں، مثلاً:

- ☆ خاندان کے مختلف قسم کے احوال جیسے: خوشی، غمی، تولد، نکاح، شادی، بیماری و وفیات وغیرہ۔
- ☆ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ کے اسفار حج اور دیگر علمی، تبلیغی اور سیاسی اسفار کی تفصیلات اور تاریخی خطوط۔
- ☆ خود مولانا کے ذاتی چھوٹے بڑے اسفار کی روئیداد۔
- ☆ استاد محترم کے زیر مطالعہ رہنے والی عربی، اردو کتب اور رسائل و مجلات کا ذکر اور ان پر جامع پر مغز تبصرے۔

☆ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مختلف احوال وکوائف جیسے: امتحانات، سالانہ بجٹ، تعمیری منصوبہ جات اور علمی و روحانی ارتقائی مراحل کا ذکر۔

☆ دارالعلوم کے اہم اجتماعات خصوصاً سالانہ جلسہ دستار بندی کی تقاریب کی تفصیلی کارگزاری۔

☆ جامعہ میں مختلف علماء و زعماء اور وفود کی آمد اور دارالعلوم کے بارے میں انکے نیک تاثرات کا ذکر جن میں اکابر علماء، اساطین علم وعرفان، سیاسی زعماء اور قومی و بین الاقوامی مشاہیر شامل ہیں۔

☆ شیخ الحدیثؒ کے خطابات، مواعظِ جمعہ اور دروس کے بعض اہم اقتباسات۔

☆ اکابر علماء اور قومی و ملی مشاہیر کی وفات بقید تاریخ اور ان کے بارے میں تعزیتی جلسے اور شیخ الحدیثؒ کے تاثرات۔

☆ ملکی اور بین الاقوامی حالات پر جاندار تبصرے اور سیاسی اتار چڑھاؤ کی تفاصیل، جن سے بعض تاریخی واقعات کی حقیقت سمجھنے میں بھی بڑی مدد ملتی ہے۔

ان احوال و واقعات کو پڑھ کر جہاں حضرت شیخ الحدیثؒ کی عظمت و بلندی اور قومی و ملی خدمات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے وہاں مولانا سمیع الحق صاحب کے مطالعاتی ذوق، علمی مصروفیات، فکری رجحانات اور اکابرین امت کے ساتھ عقیدت ومحبت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ اللہ کرے کہ درمیان میں رہ جانے والے سالوں اور ۱۹۸۳ء کے بعد کے سالوں کی ڈائری بھی طبع ہو کر منظر عام پر آجائیں، آمین۔

دوسرا حصہ:

دوسرا حصہ ان علمی، تاریخی، ادبی اور معلوماتی مواد کا مجموعہ ہے، جو حضرت نے دورانِ مطالعہ منتخب کئے تھے۔ ان میں خوبصورت مطلب خیز عربی، فارسی اور اردو اشعار اور قصائد و مرثیات، اہل علم کے مفید اقوال اور تاریخی سبق آموز واقعات شامل ہیں۔ بعض علماء و مصنفین کے مختصر احوالِ زندگی اور کتب کے مفید اقتباسات بھی درج کئے گئے ہیں۔ نیز مولانا صاحب کے اپنے قلم سے تحریر کردہ دلچسپ اور مفید مضامین بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہے، اور دلچسپ امر یہ کہ یہ سب کچھ باحوالہ ہے۔

بلاشبہ یہ بکھرے ہوئے موتیوں کا ایک اچھا مجموعہ اور ہزاروں صفحات کا نچوڑ اور عطر کشیدہ ہے۔ اہل علم کیلئے خاصے کی چیز ہے۔

اس مفید مجموعہ کے مطالعہ سے استاد محترم کی دقت علمی کا پہلو بھی نکھر کر سامنے آتا ہے کہ آپ کس قدر کثیر المطالعہ شخصیت ہیں، بلکہ صرف کثیر المطالعہ ہی نہیں، سریع المطالعہ بھی ہیں کہ اتنی کم عمری میں اس قدر مطالعہ اور علمی ذوق وشوق کسی کسی کے حصے میں آتا ہے۔ بقولِ حضرت الاستاذ مولانا عبدالحلیم المعروف دیر بابا جی مدظلہم: ''اگر آپ کسی دن ڈھیر ساری کتب مولانا کے سامنے رکھ کر انکا مطالعہ کرنے کو کہیں تو اگلے دن نہ صرف مولانا ان کے مطالعہ سے فارغ ہو چکے ہوں گے بلکہ ان کا خلاصہ بھی فرفر بیان کریں گے''۔

الحاصل بظاہر تو یہ استاد محترم کی روزمرہ کی خودنوشت ڈائری ہے لیکن در حقیقت یہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق، استاد محترم مولانا سمیع الحق اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی ایک مکمل تاریخی دستاویز ہے۔ اس لئے مولانا عبدالقیوم حقانی دامت برکاتہم کی یہ امید کہ: "اس ڈائری کی مدد سے دارالعلوم حقانیہ کی سال بہ سال تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔"(۶) اور مولانا عرفان الحق حقانی مدظلہ کا یہ عزم کہ: "اس ڈائری سے ہم مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ کے سیاسی جدوجہد کے مراحل نکال کر "مولانا عبدالحق کی سیاسی ڈائری" کے عنوان سے مرتب کرنا چاہتے ہیں۔" بالکل بجا اور درست ہے، اور یہ ڈائری اس کے لئے بنیاد فراہم کرسکتی ہے، بلکہ احقر کی رائے میں تو پاکستان کا کوئی بھی مذہبی یا سیاسی تاریخ دان اس سے استفادہ کئے بغیر اپنی تاریخ مکمل نہیں کرسکتا کہ یہ اس کے لئے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

عام طور پر اس قسم کی ڈائریوں کو منظر عام پر لانے سے گریز کیا جاتا ہے کہ یہ ذاتی چیز ہوتی ہے۔ مولانا صاحب کے الفاظ میں: "پیش نظر کتاب زندگی کی بکھری ہوئی کہانی اور پراگندہ افکار و احساسات کا مجموعہ ہے، جسے عموماً ماضی کی بے رحم صبح و شام میں دفن کر دیا جاتا ہے اور جسے سر عام بے نقاب ہوجانے سے گریز کیا جاتا ہے کہ اپنی خلوت میں غیروں کے جھانکنے سے کسی بھی حساس طبیعت کو جھجک محسوس ہوتی ہے۔ اپنی شب و روز اور نجی زندگی کی خلوتوں کو غیروں کی جلوت بنانا کون سی عقلمندی ہے؟"(۷)

لیکن یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ فاضل مرتب مولانا عرفان الحق صاحب اس کی اشاعت کی اجازت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے اور استاد محترم نے بھی وسعت ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے افادہ عام کو پیش نظر رکھ کر اس کی اجازت مرحمت فرمائی، فجزاھم اللّٰہ تعالیٰ منا احسن الجزاء

اخیر میں احقر بارگاہ رب العزت میں اس دعا کی قبولیت کی درخواست کرتا ہے جسے استاد محترم دامت برکاتہم نے احقر کی درخواست پر کتاب کے شروع میں آٹوگراف کے طور پر تحریر فرمائی:

"اللہ تعالیٰ ان مصروفیات اور ڈائری کی صورت میں اپنے علمی اور عملی مشاغل ڈالنے کی توفیق دے ___ سمیع الحق" (آمین ثم آمین)

حوالہ جات:

(۱) مولانا سمیع الحق کی ڈائری اور علمی منتخبات، عنوان: عرض مرتب، ص: ۶۰

(۲) ملاحظہ ہوں: http://wol.jw.org/ur/wol/d/r109/lp-ud/102001570

(۳) فتوح الہند از مفتی محمد شفیع، ص: ۹، مطبوعہ: ادارۃ المعارف کراچی

(۴) مولانا سمیع الحق کی ڈائری اور علمی منتخبات، عنوان: عرض مرتب، ص: ۶۰

(۵) ملاحظہ ہوں: تین معاصر بزرگوں کے تصنیفی کارنامے، کالم نگار: مولانا زاہد الراشدی، مطبوعہ: روزنامہ اسلام، ۲۲ نومبر ۲۰۱۰ء، نیز کالم پڑھنے کیلئے دیکھئے: http://zahidrashdi.org/618

(۶) ماہنامہ القاسم، خالق آباد نوشہرہ، ذی قعدہ ۱۴۳۷ھ بمطابق ستمبر ۲۰۱۶ء، عنوان: ساٹھے با اہل حق، ص: ۸۳

(۷) مولانا سمیع الحق کی ڈائری اور علمی منتخبات، عنوان: پیش لفظ، ص: ۵۷

جناب محمد سمیع اللہ
سابق سیکریٹری، اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد

عیدین کا چاند دیکھنے کا آسان متفقہ طریقہ کار

مملکت خداداد پاکستان کو معرض وجود میں آئے ہوئے ستر (۷۰) سال ہوگئے ہیں مگر اس طویل عرصہ کے دوران پورے ملک میں شاید ہی کبھی روزہ اور عید ایک ہی دن ہوئے ہوں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نہ حکومتِ وقت اور نہ ہی علمائے کرام نے سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور کرکے اس کا حل نکالا ہے اور اِس طرح ملت کو تقسیم سے بچانے کے لئے اپنا مثبت کردار ادا نہیں کیا۔ شاید ہمارے ارباب اقتدار اور زعمائے ملت کو اس کا احساس نہیں کہ یہ کتنا بڑا جرم ہے۔ قرآن مجید کے مطابق مسلمانوں کے درمیان افتراق وانتشار پیدا کرنا شرک جیسا کبیرہ گناہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

> وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا (الروم: ۳۱-۳۲)
>
> (مومنو!) اُسی (اللہ) کی طرف رجوع کئے رہو اور اُس سے ڈرتے رہو اور نماز پڑھتے رہو اور مشرکوں میں نہ ہونا (اور نہ) اُن لوگوں میں (ہونا) جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود فرقے فرقے ہوگئے"

لہٰذا پوری دلسوزی سے حکومت اور اہل علم کی خدمت میں قابل عمل گزارشات پیش کی جاتی ہیں جن پر عمل کر کے خاص طور پر رمضان اور عیدالفطر کا چاند دیکھنے کے حوالے سے تقسیم ملت جیسے گھناؤنے جرم سے بچا جاسکتا ہے۔

راقم نے ۱۹۹۰ء میں جب وہ اسلامی نظریاتی کونسل کا سیکریٹری تھا، کونسل کے باقاعدہ ایجنڈے میں یہ بات شامل کروائی کہ عیدین کے مبارک موقع پر بدمزگی اور انتشار سے بچنے کے لئے مرکزی رویت ہلال کمیٹی کا اجلاس باقاعدگی سے صرف پشاور میں ہوا کرے تاکہ عید کے چاند کے بارے میں قرب وجوار سے موصول شدہ شہادتوں کا شرعی جائزہ لے کر حتمی اعلان کیا جاسکے۔ مزید برآں اس ضمن میں عجلت کا مظاہرہ نہ کیا جائے اور حتمی اعلان سے پہلے بلوچستان کے دور دراز علاقوں مثلاً پسنی، جیوانی، تربت، پنجگور،

اور ماڑہ وغیرہ سے بھی اطلاعات کی موصولی کا فوری انتظام کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے پاکستان کے جملہ اضلاع کے ڈپٹی کمشنر صاحبان کو پابند کیا جائے کہ جونہی اپنے علاقوں سے اُنہیں چاند کے بارے میں کوئی معتبر شہادت موصول ہو تو وہ وہاں کی مرکزی جامع مسجد کے امام/خطیب صاحب سے تصدیق کروا کر فوری طور پر مرکزی رویت ہلال کمیٹی پشاور کو مطلع کریں تا کہ وہ مزید چھان بین کر سکیں۔ اس مقصد کے لئے تمام ڈی سی صاحبان کے نام اور فون نمبر مشتہر کئے جائیں تا کہ عوام کو اُن سے رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔

راقم کی اس تجویز پر کونسل کے بعض اراکین بالخصوص علمائے کرام نے اتفاق نہیں کیا اور عذر پیش کیا کہ اُنہوں نے عید کی نماز کی امامت کروانی ہوتی ہے اور علاقہ کی سرکردہ سرکاری شخصیات اُن کے پیچھے نماز ادا کرتی ہیں۔ پشاور جیسے علاقہ سے راتوں رات اُنہیں اپنے شہروں میں پہنچنا محال ہے۔ اس لئے یہ تجویز نا قابل عمل ہے۔ میرے خیال میں اگر حکومت اور علمائے کرام تھوڑی سی قربانی دیں اور اخلاص سے کام لیں تو اس پر عمل درآمد بہت آسان ہو سکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ پاک فضائیہ کا ایک ہوائی جہاز (C-130) پشاور کے ہوائی اڈہ پر تیار رہے اور جونہی چاند کے بارے میں سرکاری طور پر حتمی اعلان ہو تو وہ مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے اراکین کو لے کر ایک ہی فلائٹ کے ذریعے اُن کو اپنی منزل مقصود کراچی، کوئٹہ، لاہور یا اسلام آباد پہنچا دے۔

جامع مسجد قاسم علی خان، پشاور کے خطیب مفتی شہاب الدین پوپلزئی صاحب کو خصوصی طور پر اس بارے میں اعتماد میں لیا جائے تو منزل بفضل تعالیٰ اور بھی آسان ہو جائے گی کہ مسئلے میں اختلاف ہی وہاں سے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے ملی یکجہتی اور عقلمندی کا تقاضا ہے کہ حکمت عملی کے ساتھ جائے اختلاف کو جائے اتفاق و اتحاد بنایا جائے۔ مزید برآں چیئرمین رویت ہلال کمیٹی کی تقرری کی مدت متعین کی جائے جو پانچ سال سے زائد نہ ہو۔ مناسب ہوگا کہ مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے لئے نئے چیئرمین کا بھی انتخاب کیا جائے اور اس کے لئے ملک کے نامور علمائے کرام میں سے کسی کو منتخب کیا جائے۔ مرکزی رویت ہلال کمیٹی میں علمائے کرام کے ساتھ فن سے متعلقہ ماہرین کو بھی شامل کیا جائے تا کہ وہ ان شہادتوں کا تکنیکی طور پر بھی جائزہ لے سکیں۔

میں آپ کے موقر جریدے کے ذریعے ارباب اقتدار اور درد دل رکھنے والے علمائے کرام سے ایک بار پھر اپیل کروں گا کہ اُمت کی فلاح اور یکجہتی کے لئے میری بیان کردہ تجویز کے مندرجہ ذیل تین اہم نکات پر ضرور غور فرمائیں:

۱۔ مرکزی رویت ہلال کمیٹی کا اجلاس مستقل طور پر کراچی یا اسلام آباد کے بجائے صرف

پشاور ہی میں ہوا کرے جس کے لئے وزارت مذہبی امور ضروری اقدامات کرے تاکہ ملک میں انتشار پیدا نہ ہو۔

۲۔ چاند نہ نظر آنے کا اعلان سرکاری میڈیا سے گیارہ بجے شب سے پہلے نہ کیا جائے۔

۳۔ عوام کو اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ ترغیب دی جائے کہ وہ بھی چاند کی جستجو میں رہیں اور جس کسی کو چاند نظر آئے وہ فوری طور پر اس کی اطلاع اپنے ضلع کے متعلقہ حکام یعنی ڈی سی کو دیں۔

یہاں یہ بھی امر باعث رہنمائی ہوگا کہ عرب ٹی وی کے مطابق رمضان کا چاند دیکھنے کیلئے سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات (UAE) میں عدالتی کونسل کا اجلاس ہوا جس میں کونسل کے ممبران کو چاند نظر آنے کی کوئی شہادت موصول نہیں ہوئی جس کے بعد عرب ممالک میں پہلا روزہ بروز ہفتہ مورخہ ۲۷ مئی ۲۰۱۷ء کو ہونے کا اعلان ہوا۔ چونکہ پاکستان میں ابھی شرعی عدالتی نظام قائم نہیں ہے، اس لئے اطلاعات یعنی سرکردہ مقامی علماء سے تصدیق شدہ شہادتوں کی ترسیل کا کام وقتی طور پر تمام اضلاع کے ڈپٹی کمشنر صاحبان سے لیا جاسکتا ہے، اس کیلئے اُن کے ناموں اور ٹول فری نمبروں کو مشتہر کیا جائے تاکہ آئندہ رمضان اور عیدین ایک ہی دن کامیابی و کامرانی سے منائی جاسکیں۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

موتمر المصنفین جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی نئی کاوش

دارالعلوم حقانیہ

اور

ردِقادیانیت

تحریک ختم نبوت 1953 سے 1974 اور 1986 تک مرحلہ وار تاریخ، اقتدار کے ایوانوں، قومی اسمبلی، سینٹ اور وفاقی مجلس شوریٰ میں دفاع ختم نبوت، ردقادیانیت کا فیصلہ کن معرکہ، شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ، حضرت مولانا سمیع الحق صاحب و دیگر اساتذہ و مشائخ دارالعلوم حقانیہ کی سیاسی و آئینی جدوجہد، قومی اسمبلی و وفاقی مجلس شوریٰ اور سینٹ میں طویل پارلیمانی جنگ، ملت اسلامیہ کا موقف، مولانا سمیع الحق کے سوالنامے کے جواب میں اقلیتی فیصلہ پر عالم اسلام کے جید علماء کرام کے تاثرات اور مستقبل کا لائحہ عمل، ماہنامہ 'الحق' اور قادیانیت کا تعاقب، منبر حقانیہ سے دفاع ختم نبوت اور ردقادیانیت سمیت درجنوں آئینی اور قانونی مباحث، پر مشتمل اپنی طرز کی منفرد کاوش......ایک عہد کی تاریخ......پہلی بار منظر عام پر

ضخامت: ۶۰۰ صفحات قیمت: ۳۰۰

مرتبین: مولانا انعام الرحمٰن شانگلوی، مولانا محمد اسرار مدنی

ادارہ

افکار و تاثرات

قاری عبدالروف قریشی، راولپنڈی

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ......نظریہ پاکستان کا بیس کیمپ

۱۸۲۹ء میں اکوڑہ خٹک کے مقام پر تحریک مجاہدین کے سالار سید احمد شہید اور سید اسماعیل شہید کے لشکر "مجاہدین" کا سکھوں کے لشکر پنجاب کے ساتھ ایک بڑا معرکہ ہوا، جنگی سازوسامان کی کثرت کے باوجود سکھ افواج کو شکست فاش ہوئی ،اور مجاہدین کو غلبہ حاصل ہوا، اور یہ غلبہ تشکیل پاکستان کیلئے خشت اول ثابت ہوا، ۱۸۳۱ء میں سید احمد اور سید اسماعیل شہید کی بالاکوٹ کے مقام پر شہادت نے تحریک آزادئ ہند کی ایک سو اٹھارہ سالہ طویل جدو جہد کو کامیابی سے ہمکنار کرتے ہوئے دوقومی نظریہ کی بنیاد پر ۱۴؍اگست ۱۹۴۷ء کو مملکت خداداد پاکستان کا ظہور دنیا کے نقشے پر ہوا،تو عالم اسلام کی عظیم درسگاہ دیوبند کے نوجوان، فاضل استاد حضرت مولانا شیخ الحدیث عبدالحق اکوڑوی رحمہ اللہ نے ستمبر ۱۹۴۷ء میں ہی اسی مقام کے قریب ہی دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی ،تا کہ نظریہ پاکستان کا یہ بیس کیمپ ایسے تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ نظریاتی افراد ملک وقوم کو دے سکے جو فروغ تعلیم کے ذریعے ملک کے قریہ ودیہات سے جہالت کے اندھیروں کو ختم کر کے روشن اور ترقی یافتہ پاکستان کے خواب کو تعبیر دے سکیں اور جو ملکی سلامتی واستحکام کیلئے کام کر سکیں اسی وژن کے مطابق دارالعلوم حقانیہ نے ہزاروں فاضل علماء اور بین الاقوامی شہرت کے حامل قرّاء تیار کئے جو زندگی کے تمام شعبوں میں اندرون ملک اور بیرون ملک انقلابی تبدیلیوں کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کی چشم بینا نے جس خطرہ کو ۱۹۴۷ء میں ہی بھانپ کر ایشیا کی اس عظیم درسگاہ دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی وہ خطرہ پچیس تیس سال کے بعد ہمارے سروں پر لٹکی تلوار کی مانند موجود ہوااور دنیا کی دوسری سپر طاقت روس ہماری سرحدوں تک پہنچ آیا، جو افغانستان کے بعد خاکم بدہن پاکستان پر یلغار کا ارادہ رکھتا تھا،اس مشکل دور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اکوڑوی رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ ہزاروں فاضلین نے اپنے جوشِ خطابت کے ذریعے روس کو للکارا اور اپنی زور قلم کے ذریعے روس کی مذمت کرتے ہوئے جدید ہتھیاروں سے لیس ہوکر پاکستانی سرحدوں سے ہی نہیں بلکہ افغانستان سے بھی اسے پسپا ہونے پر مجبور کردیا۔

عالمی سطح پر روس کی اس شکست کو آج تک حیرانی سے دیکھا جارہا ہے، پاکستان اسلام کے نام پر تشکیل پانے والا دنیا کا واحد ملک ہے، جو تشکیل کے وقت سے ہی بحرانوں کا شکار ہے، جو پاکستان اور اسلام دشمن طاقتوں کی کارستانیوں کا شاخسانہ ہے، اسلامائزیشن کے عمل کی تکمیل، بحرانوں کے خاتمے، کرپشن کے سدباب کی کارستانیوں کا شاخسانہ ہے، جلد انصاف کی فراہمی، فروغ تعلیم، اسلامی اقدار کے فروغ اور قوم کی بھلائی و خیرخواہی کیلئے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ نے قومی اسمبلی کے ایوانوں سے بھی صدائے حق بلند کئے رکھی جسکی پاداش میں آپ کو اسمبلی سے دور رکھنے کی حکومتی سازشیں تسلسل کے ساتھ جاری رہیں لیکن آپ کے عزم وحوصلہ میں کمی نہیں آئی، آپ سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اور تحریک ختم نبوت کے سالار اول، قومی اسمبلی کے اعلیٰ تعلیم یافتہ رکن اسمبلی ہونے کے باوجود آپکو مزاحمتوں کا سامنا رہا، لیکن آپ نے ہمیشہ دھیمے مزاج کے ساتھ اپنی بات حکومتی ایوانوں تک پہنچائی اور اسمیں کامیابی حاصل کی۔

دارالعلوم حقانیہ آپ کے روحانی فیوض وبرکات ۸، ۱۰ سال کے دورانیہ میں تکمیل علم کے بعد دورہ حدیث شریف میں صحاح ستہ، بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف اور سنن نسائی شریف، سنن ابن ماجہ کی تکمیل کے بعد شہادت الفراغ درس نظامی کے سند کیساتھ وفاق المدارس کا امتحان، الشہادۃ العالیہ میں بھی شرکت کرکے اعلیٰ نمبروں سے کامیابی حاصل کرکے سرخرو ہوتے ہیں ان فضلاء کی صلاحیتوں کو نکھارنے کیلئے دارالعلوم حقانیہ کے ساتھ دارالمصنفین (موتمر المصنفین) اور عالمی معیار کا ماہنامہ الحق بھی کام کررہے ہیں جہاں فضلائے دارالعلوم حقانیہ تحقیق وتحریر کے جوہر کو نکھارنے کے بعد عام کرنے میں مصروف عمل رہتے ہیں۔

دارالعلوم حقانیہ کی تنظیم نو اور جدید خطوط پر استوار کرنے میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے نامور فرزند عالم اسلام کے بلند پایہ عالم دین شیخ الحدیث سینیٹر مولانا سمیع الحق کی شبانہ روز کاوشوں اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ جنت مکانی کے صاحبزادے شیخ الحدیث مولانا انوارالحق نائب مہتمم دارالعلوم حقانیہ کی دوررس تعلیمی منصوبہ بندی، محنت شاقہ اور اخلاص قابل ستائش ہیں، عالم اسلام خصوصاً ایشیا کی یہ عظیم درسگاہ قدیم وجدید کا حسین امتزاج ہے دارالعلوم حقانیہ کا شعبہ تحفیظ القرآن مجید خاص طور پر قابل ذکر ہے جو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے مرقد انور کے بالکل سامنے ہے جہاں سے سینکڑوں حفاظ قرآن مجید تیار ہوکر نکلتے ہیں، اس مرکز قرآن مجید میں عالمی شہرت یافتہ حفاظ، قاری بچوں کو پڑھاتے رہے یہ اعلیٰ ومعیاری ادارہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے معتقدین اور اسلام پسند حضرات کے مالی تعاون سے اتنا بڑا تعلیمی کام کررہا ہے کہ ایک لمحہ کیلئے حیران ہونا پڑتا ہے، اس ادارے "دارالعلوم حقانیہ" میں پڑھنے والے

طلباء کی تعداد ہمیشہ بڑھتی ہی رہتی ہے،طلباء کے تمام اخراجات مخیّر حضرات کے تعاون سے دارالعلوم حقانیہ برداشت کرتا ہے،طلباء کیلئے بہترین اقامت گاہیں (ہاسٹل) بہترین خوراک کا انتظام وانصرام اپنی مثال آپ ہے۔تدریسی کمرہ جات کوخاطرخواہ لوازمات سے نوازا گیا ہے۔

نصف صدی سے زائد فروغ علم دین کیلئے کوشاں اس تاریخی اورنظریاتی درسگاہ نے کئی لاکھ محبّ وطن دوقومی نظریہ کے پاسداران پیدا کئے۔نظریۂ پاکستان کا یہ بیس کیمپ فنون وعلوم ، اخلاص وایثار ، تعلیم وتربیت اورعلم وعرفان کا یہ روحانی مرکز پاکستان کیلئے بالخصوص اورعالم اسلام کیلئے باعث افتخار ہے ، یہاں پر پڑھانے والے قدسی صفات اساتذہ کرام ''جوہرانسانیت'' ہیں،جن کے دم قدم سے اعلیٰ علمی وادبی اوردینی اقدار فروغ پاتی ہیں،کیونکہ امن ، استحکام پاکستان اورہرقسم کی دہشت گردی کے خاتمہ کیلئے علم سے بڑا کوئی ہتھیارنہیں اورفروغ علم کا یہ گہوارہ طاقتور جذبوں کیساتھ فروغ تعلیم کیلئے کوشاں ہے،اسلام دشمن اورانسانیت دشمن طاقتوں نے انہی وجوہات کی بناپر کچھ عرصہ سے اس مادرعلمی کے بارے میں اپنی بغض کے تیروتفنگ کی بارش کے ذریعے قابل مذمت طوفان کھڑا کرنے کی کئی کوششیں کی ہیں اورناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے اورایسا ہونا یقینی تھا کیونکہ یہاں علم وفن،تعلیم القرآن علم حدیث اوراشاعت اسلام کیلئے دن رات کام جاری وساری رہتا ہے،دہشت گردی ،اسلام دشمنی ہے، انسانیت دشمنی ہے جس کا یہاں کیا کام ہے؟اوریہاں کے بیہودہ حالات کم علمی کی پیداوارہی ہوسکتے ہیں کیونکہ یہ ادارہ ماضی کی پرشکوہ روایات کا مظہراورعصر حاضر کے چیلنجوں کیلئے مینارۂ نورکی حیثیت رکھتا ہے،اسی لئے زبان پر بے ساختہ یہ اشعار آجاتے ہیں۔

اے مادرعلمی ....دارالعلوم حقانیہ

ابھرکرسامنے ماضی کی جب تصویر آتی ہے ــــ اے مادرعلمی نظراپنے خوابوں کی تعبیر آتی ہے

تیری آغوش میں پرواز کی طاقت ملی مجھ کو ــــ تیری چوکھٹ سے پایا حوصلہ،ہمت ملی مجھ کو

جسے کہتے ہیں عزت یہاں وہی عزت ملی مجھ کو ــــ تیرے ہی فیض سے علم وفن اوراسلام کی دولت ملی مجھ کو

اے مادرعلمی ....دارالعلوم حقانیہ

یہ دنیا ظلمتوں کے بوجھ سے جب ڈگمگاتی ہے ــــ اے مادرعلمی تیری یاد مجھے خون کے آنسورلاتی ہے

حکومت وقت ، میڈیا اوراسلام پسند طاقتوں کوآگے بڑھ کر اس عظیم ادارے دارالعلوم حقانیہ کاہمنوابن کر کھلے دل کے ساتھ اس کی سرپرستی کیلئے دست تعلق درازکرنا چاہئے تاکہ فروغ دین کے جاری پراجیکٹس بھرپور طاقت سے مصروف عمل رہیں، اورزیرتعلیم طلباء یکسوئی سے اپنی تعلیم کی تکمیل کرسکیں اوراسلامی جمہوریہ پاکستان میں نفاذ اسلام کی آرزوتکمیل آرزو تک پہنچ سکے۔

مولانا حامد الحق حقانی
مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ

دارالعلوم کے شب و روز

تبلیغی جماعت کے وفود کی دارالعلوم آمد: رمضان المبارک اوراس سے قبل درجنوں تبلیغی جماعتیں دارالعلوم تشریف لائیں، جس میں پاکستان سمیت بنگلہ دیش، آسٹریلیا، انگلینڈ، صومالیہ اور دیگر ممالک کے علماء بھی شریک تھے۔ بیشتر علماء نے شیوخ حقانیہ خصوصاً حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات اور اجازت حدیث کیلئے سفر کیا۔

مدیر الحق کی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان سے ملاقات

۱۳ جون کو مدیر الحق برادرم مولانا راشد الحق اور مولانا سید یوسف شاہ صاحبان نے اسلام آباد میں وزیر داخلہ جناب چودھری نثار علی خان سے ملاقات کی۔ ملاقات میں مختلف اہم قومی ایشوز پر تبادلہ خیال کیا گیا نیز دینی مدارس اور علمائے کرام کی حفاظت و سیکورٹی سمیت دیگر اہم کئی مسائل پر گفتگو وشنید ہوئی۔

احاطہ امام بخاری کی دوسری منزل اور مسجد تہہ خانہ کمروں پر کام کا آغاز

دارالعلوم حقانیہ کی تعمیر نو کے سلسلہ میں احاطہ قدیم دارالتدریس احاطہ یوسفیہ، احاطہ امام شیخ الحدیث کے ڈھا دیئے جانے کے سبب امسال طلبا کی رہائش کا مسئلہ جو فوری طور پر زیر غور تھا، اس سلسلہ میں نئے طلباء کی رہائش گاہوں کی تعمیر کی فکر حضرت مہتمم صاحب کو لاحق تھی لہٰذا ہنگامی بنیادوں پر حضرت مہتمم صاحب کے حکم پر احاطہ امام بخاری کی دوسری منزل پر کام دن رات شروع کردیا گیا ہے، اس منزل میں پرانے ہاسٹل کا سامان دروازے کھڑکیاں اینٹیں وغیرہ (جو کہ کافی بہتر حالت میں ہیں) صدقہ جاریہ کے طور پر لگائی جارہی ہیں، جو جناب کرنل مختار صاحب اور حاجی دلاور خان صاحب نے تعمیر کروایا تھا اورانہوں نے اپنی بلڈنگ نئے دارالتدریس بنانے کی خاطر گرانے کی قربانی دی لہٰذا حضرت مہتمم صاحب نے اکثر و بیشتر اسی بلڈنگ کا سامان اسی میں لگانے کی تجویز دی اور اس نئی منزل کا نام بھی جناب کرنل مختار صاحب و حاجی دلاور خان صاحب اور طارق خان صاحب کے منسوب کرنے کی تجویز دی۔ اسی طرح مولانا عرفان الحق کی تحریک سے مسجد کے تہہ خانہ میں ۱۰ وسیع ہال نما عارضی کمروں کا آغاز رمضان ہی کے مقدس ایام میں کردیا گیا ہے۔

الحق کے خصوصی وقائع نگار و اشاریہ ساز جناب شاہد حنیف کو صدمہ

الحق کے خصوصی وقائع نگار و اشاریہ ساز جناب شاہد حنیف صاحب کے والد گزشتہ دنوں طویل علالت کے بعد وفات پا گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، قارئین الحق سے مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

جامعہ کے نئے تعلیمی سال ۳۸-۱۴۳۷ء بمطابق ۱۷-۲۰۱۶ء کے داخلوں کا شیڈول

درس نظامی

درجات	ایام	تاریخ
تمام درجات کے قدیم طلباء (اعدادیہ تا دورہ حدیث)	منگل	۱۰رشوال ۱۴۳۸ھ بمطابق ۴رجولائی ۲۰۱۷ء
جدید دورہ حدیث شریف	بدھ	۱۱رشوال ۱۴۳۸ھ بمطابق ۵رجولائی ۲۰۱۷ء
جدید دورہ حدیث شریف	جمعرات	۱۲رشوال ۱۴۳۸ھ بمطابق ۶رجولائی ۲۰۱۷ء
اعدادیہ، متوسطہ، اولیٰ، ثانیہ، دورہ حدیث شریف	ہفتہ	۱۴رشوال ۱۴۳۸ھ بمطابق ۸رجولائی ۲۰۱۷ء
ثالثہ، رابعہ، خامسہ، دورہ حدیث	اتوار	۱۵رشوال ۱۴۳۸ھ بمطابق ۹رجولائی ۲۰۱۷ء
تکمیل، سادسہ	پیر	۱۶رشوال ۱۴۳۸ھ بمطابق ۱۰رجولائی ۲۰۱۷ء
موقوف علیہ	منگل	۱۷رشوال ۱۴۳۸ھ بمطابق ۱۱رجولائی ۲۰۱۷ء
افتتاح	بدھ	۱۸رشوال ۱۴۳۸ھ بمطابق ۱۲رجولائی ۲۰۱۷ء

شعبہ حفظ

درجہ حفظ میں داخلہ کے خواہشمند طلباء کی درخواستیں ۱۵رمضان بمطابق ۱۰۔جون سے ۱۴رشوال بمطابق ۸۔جولائی ۲۰۱۷ء تک دفتر اہتمام میں جمع کی جائیں گی۔ حفظ کے خواہشمند طلباء کا ٹیسٹ اور انٹرویو وغیرہ ۱۴۔۱۵ شوال بمطابق ۸۔۹ جولائی بروز ہفتہ و اتوار صبح 9:00 کو دارالعلوم حقانیہ میں ہوگا (امسال شعبہ حفظ کا داخلہ دارالعلوم حقانیہ کی تعلیمی کمیٹی اور دارالحفظ کے اساتذہ کی مشترکہ نگرانی میں ہوگا)۔صرف وہ امیدوار درخواست دیں جو قرآن ناظرہ سے پڑھ چکے ہوں۔عمر ۱۳ سال سے متجاوز نہ ہو۔دو پارے پہلے سے یاد کرنے والوں کو ترجیح دی جائے گی۔

درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء

درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کیلئے داخلہ درخواست ۱۶ شوال بمطابق ۱۰۔ جولائی بروز پیر تک دفتر اہتمام میں جمع کرائی جائیں گی اور انٹری ٹیسٹ ۱۶۔شوال بمطابق ۱۰۔ جولائی بروز پیر صبح 9:00 بجے ہوگا۔

نوٹ:۱ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کا دورانیہ 2 سال ہوگا۔

نوٹ:۲ امسال درجہ اعدادیہ سے لیکر بشمول درجہ سادسہ اسباق اردو میں بھی پڑھائے جائینگے۔لہٰذا اردو زبان سمجھنے والے طلباء کرام داخلہ لے سکتے ہیں۔درجہ متوسطہ میں وہ طلباء داخلہ لینگے جو کہ ساتویں جماعت پاس ہو۔

نوٹ:۳ داخلہ کے خواہشمند طلباء کیلئے نادرا شناختی کارڈ کا ہونا لازمی ہے اور جو امیدواران نابالغ ہیں وہ اپنے والد صاحب کا نادرا شناختی کارڈ ضرور لائیں اور ساتھ تین عدد پاسپورٹ سائز رنگین تصاویر بھی ضروری ہیں

نوٹ:۴ امسال دارالعلوم حقانیہ میں شعبہ تجوید کا الگ شعبہ ہوگا جس میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب کے مطابق حفاظ کیلئے دو سالہ کورس اور علماء کرام کیلئے یک سالہ کورس پڑھایا جائیگا

نوٹ:۵ ہر درجہ میں داخلہ کیلئے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحتانی درجات کے اصلی سندات کا برائے معائنہ دکھانا لازمی ہے اور ساتھ ان ہی اسناد کے دو عدد فوٹو سٹیٹ بھی لانا ضروری ہے۔

نوٹ:۶ تمام قدیم طلباء کرام کا داخلہ رجسٹریشن کارڈ پر ہوگا لہٰذا قدیم طلباء کرام اپنے ساتھ رجسٹریشن کارڈ ضرور لائیں۔

نوٹ:۷ جو غیر ملکی طلباء کرام جامعہ میں داخلہ کے خواہش مند ہوں وہ پاکستانی ویزہ اور دیگر ضروری دستاویزات اپنے ساتھ ضرور لائیں۔

نوٹ:۸ قدیم طلباء کے لئے جو تاریخ مقرر کی گئی ہے وہ حتمی ہے، مقرر تاریخ کے بعد کسی بھی طالب علم کو داخلہ نہیں ملے گا۔

غیر ملکی طلباء کرام جامعہ میں داخلہ کے خواہش مند ہوں وہ پاکستانی ویزہ اور دیگر ضروری دستاویزات اپنے ساتھ ضرور لائیں۔

دارالعلوم کے نئے تعلیمی سال کا باضابطہ آغاز ان شاء اللہ ۱۸رشوال ۱۴۳۸ھ بمطابق ۱۲رجولائی ۲۰۱۷ء بروز بدھ ہوگا

ادارہ

تعارف وتبصرہ کتب

- **التمهيد لاصول الفقة** مؤلف: مولانا عبدالوھاب

ضخامت ۸۰ صفحات ناشر: مکتبہ فریدیہ E-7 اسلام آباد

زیر تبصرہ کتاب "التمهيد لاصول الفقه" جامعہ علوم الاسلامیہ الفریدیہ اسلام آباد کے جید و قابل مدرس مولانا عبدالوھاب صاحب کی تصنیف لطیف ہے، عام فہم عربی زبان میں لکھی گئی ہے، علم الاصول کے تحت نصاب مدارس میں شامل کتاب اصول الشاشی چونکہ مشکل کتاب ہے اصول الشاشی سے پہلے طالبعلم کیلئے اس علم کے مبادیات کا فہم ضروری ہے اس فن کے مبادی سے واقفیت کیلئے مؤلف کی یہ کتاب ایک بہترین کاوش ہے جو مدارس کے طلبہ کیلئے ایک مصدقہ نسخے کی حیثیت رکھتی ہے۔اس میں مبادیات اصول فقہ کو نہایت عام فہم اور آسان عربی میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس کے پڑھنے پڑھانے سے اصول الشاشی کو سمجھنے کی راہ ہموار ہو سکتی ہے، مؤلف کی کتاب جامعہ فریدیہ میں درجہ ثالثہ کے طلبہ کو اصول الشاشی سے پہلے پڑھایا بھی جاتا ہے یقیناً طلبہ کیلئے ایک نادر اور انمول تحفہ ہے۔ اللہ تعالی اس کاوش کو قبول فرمائے اور مؤلف کو مزید علمی خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔ (مبصر: مولانا اسلام حقانی)

- **توضيح الفلسفه** مؤلف: مولانا مجیب الرحمٰن صاحب

ناشر: المصباح لاہور صفحات: ۳۲۰

درس نظامی کے نصاب میں فلسفہ یونان اس لئے شامل کیا گیا تھا کہ ہمیں فلسفہ کے اسرار رموز اور مضمرات سے آگاہی حاصل ہو کر بعد میں اسی فلسفہ کے بطن سے نکلی ہوئی خرابیوں اور کج رویوں کی نشاندہی کر سکیں اور اسلامی اصولوں کے مطابق اس کا اسلامی محاکمہ ومحاسبہ پیش کرنے کے قابل ہو جائے، حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ کی کتاب تہافۃ الفلاسفۃ اسکی واضح اور بین مثال ہے، اگرچہ ہمارے ہاں دینی مدارس میں بھی اس کتاب سے بے اعتنائی برتی گئے اور برتی جارہی ہے، کسی نے اس پر خاص توجہ نہیں دی اور ہم نے فقط اسی پر اکتفاء کیا کہ فلسفہ برائے فہم فلسفہ پڑھتے پڑھاتے چلے آرہے ہیں لیکن فلسفہ برائے نقد فلسفہ پڑھنے کا رواج ختم ہو کر رہ گیا ہے فلسفہ کے نقد ورد کے حوالہ سے کوئی مدرس بات ہی نہیں کرتا، فلسفہ کے حوالہ سے عربی، فارسی، اور اردو میں بے شمار کتابیں لکھی گئی اور لکھی جارہی ہے، ہر ایک کا رنگ، روپ، ڈھنگ اور آہنگ، انداز اسلوب جدا جدا ہیں اس سلسلہ کی ایک کڑی خیبر پختونخواہ مردان طورو کے مدرسہ سعادت دارالعلوم کے جید اور قابل قدر مدرس مولانا مجیب الرحمٰن کی کتاب توضیح الفلسفہ بھی ہے۔ یہ کتاب ایک تمہید تین مقالوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، حکمت وفلسفہ کے مضامین اور مباحث کا فہم وادراک انتہائی مشکل

کام ہے تاہم اس کتاب کو قاری دیکھ کراسے اسکی سہل نگاری کا انداز ہوسکتا ہے انہوں نے ہر بات کو عام فہم انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے ایک خصوصیت یہ بھی کہ جابجا فلسفہ یونان کے شریعت سے متصادم افکار کا محاکمہ اور نقد بھی پیش کیا ہے یقیناً یہ ایک اچھی روش ہے، یہ کتاب فلسفہ پر مہارت اور عبور حاصل کرنے کیلئے ممد ومعاون ،فن منطق کے مصطلحات سمجھنے میں رہنما ،طلبہ واساتذہ فلسفہ کیلئے یکساں مفید ،طلبہ کے استعداد بڑھانے ،فلاسفہ یونان کے باطل نظریات کے ابطال ،علم کلام کے سمجھنے ،قدیم اور جدید فلکیات کا فہم رکھنے اور کئی معقولاتی کتابوں سے مستغنی کرنے لئے یہ ایک بہترین کاوش اور قیمتی سوغات ہے۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ مصنف کو مزید اس طرح علمی کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

مطبوعات مکتبۃ الایمان کراچی

لوگوں میں علم اور عمل کا شوق بڑھانے کیلئے ایسے اداروں کی ضرورت ہوتی ہے، جو فروغ علم واشاعت علم میں سرگرم عمل ہو اور لوگوں کو علمی غذا فراہم کرنے کے بھر پور جدوجہد کرے، اور ایسے لوگوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو علم کی آبیاری کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہو، اور وسائل علم یعنی کتابوں اور رسالوں کی نشرواشاعت میں کوئی کسر نہ چھوڑے، اس پیہم عمل کیلئے پاکستان میں کئی ادارے سرگرم عمل ہیں جو وقتاً فوقتاً اہل علم وفضل کو علمی مواد مہیا کرتے ہیں، ان اداروں میں ایک ادارہ مکتبہ الایمان کراچی بھی ہیں جو نہایت ہی قابل قدر خدمات سرانجام دیتے رہتے ہیں، اور اکابر کی کتابوں کی نشرواشاعت بخوبی کررہے ہیں ،اب تک یہ ادارہ نہایت قیمتی کتابیں منظر عام پر لاچکے ہیں اور مزید کتابوں پر بھی کام جاری ہیں ،ذیل میں اس ادارے کے چند کتابوں پر مختصر تبصرہ پیش خدمت ہیں۔

□ **تحفظ مدارس اور علماء طلباء سے چند باتیں** تالیف: مولانا عبدالرزاق اسکندر مدظلہ

یہ کتاب شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر مدظلہ کے ان مقالات ومضامین اور بیانات پر مشتمل ہے، جو یا تو مختلف رسائل میں شائع ہوچکے ہیں، یا بعض تقریبات میں بیان کرتے ہوئے محفوظ کیا گیا ہے، اس بہترین کتاب کا موضوع طلبہ میں پڑھنے پڑھانے کا ذوق اجاگر کرنا ہے، یہ ایک بہترین سوغات ہے، جسکا مرتب مولانا محمد زین العابدین صاحب ہیں، انہوں نے اچھے انداز سے اس کتاب کو مرتب کیا، کتاب کی ضخامت ۲۰۸ صفحات ہے، اللہ تعالی موصوف کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے۔آمین

□ **اصلاحی گزارشات** تالیف: مولانا عبدالرزاق اسکندر مدظلہ ضخامت: ۲۱۶ صفحات

یہ کتاب بھی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر مدظلہ کی مختلف بیانات اور مختلف مقالات کا مجموعہ ہے جو مختلف رسائل میں شائع ہوچکے ہیں، اور بیان کو ریکارڈ کرکے شائع کی ہے، اب مولانا زین العابدین صاحب نے مرتب کرکے کتابی شکل میں شائع کرنے کی سعادت کی، اپنے موضوع پر ایک بہترین اور قیمتی تحفہ ہے، اللہ تعالی موصوف کو مزید خدمات کی توفیق عنایت فرمائے۔آمین

□ درس شعب ایمان (جلد نمبر۳) افادات: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

مرتب: محمد عدنان مرزا ضخامت: ۲۴۰ صفحات

حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ کی اصلاحی بیانات اور خطبات کسی تعارف کے محتاج نہیں خود انکی شخصیت بھی محتاج تعارف نہیں، حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ ہر اتوار کو امام بیہقی کی شہرہ آفاق کتاب "شعب الایمان" کے منتخب مقامات کا درس دیتے رہیں، اب حضرت کی دروس کو محترم جناب محمد عدنان مرزا صاحب نے ترتیب دے کر کتابی شکل میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کی، پہلی اور دوسری جلد منظر عام پر آ کر اہل علم سے داد تحسین وصول پا چکے ہیں، یہ جلد بھی اعلیٰ خوبیوں سے مالا مال ہے، اللہ تعالیٰ مزید علمی توفیق سے نوازے۔

□ تربیتی بیانات: افادات: حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ مرتب: محمد عدنان مرزا ضخامت: ۲۴۰

زیر تبصرہ کتاب "تربیتی بیانات" حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ کے ان جدید بیانات پر مشتمل ہے، جو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے افادات پر مشتمل معروف کتاب "شریعت اور طریقت" کی تشریح وتوضیح کے طور پر پیش کئے گئے ہی، حضرت تھانوی صاحب کی کتابیں مغلق ومشکل ہوتی ہے، تو حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نے اس کو عام فہم بنا کر پیش کرنے کی سعادت حاصل فرمائی، اپنے موضوع پر اچھی کاوش اور شاندار مجموعہ ہے، جناب محمد عدنان مرزا صاحب بھی لائق صد تحسین ہے کہ وہ اپنے اکابر کی کتابوں کو بخوبی مرتب کرنے کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔

□ پر اثر بیانات: افادات: مفتی محمد رفیع عثمانی مرتب: محمد عدنان مرزا ضخامت: ۲۶۳ صفحات

زیر تبصرہ کتاب "پر اثر بیانات" حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی کے ان بیانات پر مشتمل مجموعہ ہے، جو انہوں نے وقتاً فوقتاً خطبات جمعہ اور مختلف تقریبات میں طلبہ اور عوام الناس کے سامنے پیش کی ہے، جس میں چند تحریریں بھی شامل ہے، مرتب کتاب "محمد عدنان مرزا صاحب" صد لائق تحسین ہے کہ وہ اس طرح کے بکھرے موتیوں کو سلک تحریر میں پرونے کا کام سرانجام دے رہا ہیں، اللہ تعالیٰ مزید توفیق سے نوازے۔

□ سنن وآداب قرآن وحدیث کی روشنی میں مؤلف: مولانا ابوبکر بن مصطفیٰ پٹنی ضخامت: ۴۸

مکتبہ الایمان کراچی کا شائع کردہ یہ کتاب مسلمانوں کے روزمرہ معمولات، عبادات، معاملات، معاشرت اور سیاسیات وغیرہ کے متعلق تقریباً ۱۹۰ سنتوں اور آداب پر مشتمل ہے۔ مولانا مفتی ابوبکر پٹنی صاحب نے ایک اچھا خاصا ذخیرہ جمع کر کے امت مسلمہ کی خدمت میں پیش کیا ہے، جسمیں انہوں نے دلائل اور اسکے مصادر ومراجع کا اہتمام بھی کیا ہے، کتاب کی زبان سہل، الفاظ مختصر باسلوب شگفتہ ہے، کتاب میں آیات واحادیث اور دیگر اقوال کا تفصیلی تخریجات پیش کر کے قارئین کیلئے ایک گنا آسانی پیدا کردی ہے، اللہ تعالیٰ مرتب اور ناشر دونوں کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین (مبصر: محمد اسلام حقانی)